سیرت

سیّدُ الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم

مُرتّبہٗ

شیخ عبدُ القادِر صاحب فاضِل

(سابق سوداگرمل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جناب شیخ عبدالقادر صاحب فاضل (سابق سوداگر مل) نے نہایت محنت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کے اہم واقعات کو تاریخی ترتیب سے اپنی تالیف "سیرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم" میں جمع کیا ہے۔ یہ امر جاننا ضروری ہے کہ اس مجموعہ میں ۶ ہجری تک کے واقعات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی انتہائی مستند اور گرانقدر تصنیف سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تلخیص ہے۔ ۷ ہجری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کے واقعات خود شیخ صاحب نے مرتب کئے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اپنے اختصار کی وجہ سے یہ کتاب طلباء اور قارئین کے لئے بہت مفید ہے۔

سید عبدالحی
ناظر اشاعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　　　نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

عرض حال اڈیشن دوم

خاکسار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے مجھے سیرۃ سید الانبیاء کی نظر ثانی کی توفیق بخشی۔ اس سیرت کا پہلا ایڈیشن خلافت جوبلی کے موقعہ پر ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے پہلے ایڈیشن کے "عرض حال" میں میں نے لکھا تھا کہ

خاکسار نے استاذی المکرم حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل (ریٹائرڈ پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان) کی خدمت میں اپنی اس خواہش (یعنی سیرت کی طباعت و اشاعت) کا اظہار کیا۔ آپ نے نہ صرف اس سے اتفاق ہی کیا بلکہ شروع سے لیکر آخر تک بغور اس سیرت کو نہایت ہی دلچسپی اور پوری توجہ سے سنا اور متعدد مقامات پر زبان اور واقعات کے لحاظ سے اس کی نہایت ہی قابل قدر اصلاح فرمائی اور باوجود از حد مالی مشکلات کے حضرت ناظر صاحب تالیف و تصنیف سے اجازت حاصل کر کے اس کتاب کو اپنی طرف سے شائع کرنے کا عزم فرمایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا و الاخرۃ

اس کتاب کی تیاری میں میں نے سب سے زیادہ فائدہ سیرت خاتم النبیین مصنفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے اٹھایا ہے چنانچہ ۵ھ تک کے واقعات کی ترتیب اور مضامین کے لحاظ سے اسے سیرت خاتم النبیین کا ہی خلاصہ سمجھنا چاہئے۔ علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرالعزیز کے خطبات جمعہ سے بھی میں نے متعدد مقامات پر تاریخی رنگ میں فائدہ اٹھایا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا بھی از حد ممنون ہوں کہ ان ہر دو بزرگوں نے نہ صرف اس کے مسودات کا بغور مطالعہ ہی فرمایا بلکہ نہایت ہی قیمتی ارشادات بھی فرمائے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان ہر دو بزرگوں کے ارشادات ہی ہیں جن کی وجہ سے اس سیرت کی رونق دوبالا ہو گئی ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء

تازہ ایڈیشن میں اس بیان پر میں صرف اس قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اب جبکہ سیرۃ خاتم النبیین کا حصہ سوم بھی شائع ہو چکا ہے اس لئے اس دفعہ میں نے سیرۃ سید الانبیاء کی نظر ثانی کرتے وقت اس حصہ کو بھی پوری طرح سامنے رکھا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خطوط والا حصہ میں نے حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کے ہی الفاظ میں درج کیا ہے۔ اب گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ سیرۃ ۶ھ تک کے واقعات میں سیرۃ خاتم النبیین کا خلاصہ ہے۔

خاکسار عبد القادر

فہرست مضامین

باب اول

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

باب ہشتم

باب نہم

باب دہم

نقشۂ عرب
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
فارس
نجد
الربع الخالی
الاحقاف
بحر العرب
السودان
الحبشة
المدینة المنورة
مکۃ المکرمۃ
جدہ
الطائف
نجران
تیماء
تبوک
خیبر
صنعاء
عدن

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

باب اول

ملک عرب اور اس کے باشندوں کے حالات ظہور اسلام سے پہلے

محل وقوع۔وجہ تسمیہ اور حدود اربعہ

نقشہ عالم کو دیکھنے سے براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں اور ہندوستان کے مغرب کی طرف ایک بہت بڑا مستطیل سا جزیرہ نما نظر آتا ہے۔ یہ ملک عرب ہے جس میں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس ملک کی وجہ تسمیہ کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ لفظ عرب کے مادہ میں فصاحت و بلاغت کے معنے پائے جاتے ہیں اور عربی زبان بھی دوسری زبانوں کی

نسبت فصاحت و بلاغت میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس ملک کا نام عرب مشہور ہو گیا ہے۔ بعض نے اس کے ریگستانی اور بے آباد علاقہ ہونے کے باعث اس ملک کا نام عرب قرار دیا ہے۔

چونکہ اس ملک کے تین طرف پانی ہے یعنی مشرق میں خلیج فارس اور خلیج عمان۔ مغرب میں بحر احمر۔ اور جنوب میں خلیج عدن اور بحر ہند اور چوتھی طرف ریگستان ہے۔ اس لئے یہ جزیرہ عرب کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

رقبہ اور سطح مرتفع

عرب کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے طول اوسطاً سولہ سو میل ہے اور عرض اوسطاً سات سو میل ہے۔ جسے سطح زمین کے لحاظ سے جغرافیہ دان تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اول ساحلی علاقہ جو ہموار زمین پر مشتمل ہے۔ دوم پہاڑی علاقہ جس کی درمیانی وادیوں کی پیداوار پر بہت حد تک ملک کا انحصار ہے۔ سوم صحرائی علاقہ۔ جو عموماً بنجر اور غیر آباد ہے۔

آب وہوا اور پیداوار

عرب میں کوئی مشہور اور قابل ذکر دریا نہیں۔ صرف کہیں کہیں موسمی ندیاں اور برساتی نالے ملتے ہیں۔ جن کی رونق بارش کے ایام میں

ہی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے قریباً ملک کا اکثر حصہ ریگستان اور غیر آباد ہے۔

خط سرطان ملک عرب کے درمیان میں سے گذرتا ہے۔ اس وجہ سے آب و ہوا عموماً گرم اور خشک ہے۔ موسم گرما میں بعض اوقات سخت مہلک لو چلتی ہے۔ جسے باد سموم کہتے ہیں۔ جب یہ لو چلتی ہے تو درختوں کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ جانور اور پرندے مضطرب اور بے قرار ہو جاتے ہیں اور انسانوں کا تو یہ حال ہو جاتا ہے کہ اگر زیادہ دیر تک لو چلے تو ان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور بعض اوقات موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

اس ملک کی سب سے بڑی پیداوار کھجور ہے جس پر تمام ملک کا گذارہ ہے۔ ہاں کہیں کہیں جہاں پانی میسر آتا ہے۔ انگور' انجیر' ناشپاتی وغیرہ پھل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ حجاز میں طائف اپنے باغات کے لئے خاص شہرت رکھتا ہے۔ اور بعض ساحلی علاقوں اور پہاڑوں کی وادیوں میں کہیں کہیں جو اور جوار بھی بوئے جاتے ہیں۔ لوبیا اور دالیں اکثر جگہ ہوتی ہیں۔

حیوانات کے لحاظ سے عرب کے گھوڑے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ عرب کا اونٹ جسے زیادہ عرصہ پانی اور خوراک کے بغیر صحرا میں سفر کرنے کی وجہ سے بجا طور پر صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے کی بھی شہرت دنیا میں کم نہیں ہے۔ گدھا بھی عموماً ملک کے تمام حصوں میں مل جاتا ہے۔

جنگلی جانوروں میں شیر' چیتا' ہرن' بکری اور گورخر (جنگلی گدھا) بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں شترمرغ بھی عرب کا مشہور جانور

ہے۔

ملکی تقسیم

ملکی تقسیم کے لحاظ سے عرب کے بڑے بڑے حصے مندرجہ ذیل ہیں :-

① **حجاز**۔ مغرب میں بحراحمر کے ساتھ ساتھ یمن سے لے کر شام تک ایک مشہور پہاڑی علاقہ ہے۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ طائف اور جدہ وغیرہ اسی علاقہ میں آباد ہیں۔

② **یمن**۔ جنوب مغرب میں پہاڑی نالوں کی وجہ سے ایک نہایت ہی سرسبز اور شاداب علاقہ ہے۔ سبا کی قوم جس کا قرآن شریف میں ذکر آتا ہے۔ ایک زمانہ میں اسی جگہ آباد تھی۔ اس علاقہ میں صنعا ایک مشہور شہر ہے۔ عدن اور حدیدہ کی بندرگاہیں بھی اسی علاقہ میں شامل ہیں۔ یمن کے شمال مغرب میں اس کے ساتھ ہی ملا ہوا ایک علاقہ نجران ہے۔ جہاں کے عیسائیوں کو آنحضرت ﷺ نے مباہلہ کے لئے بلایا تھا۔

③ **نجد**۔ وسط عرب میں ایک وسیع اور شاداب علاقہ ہے قبائل غطفان اور سلیم جن کا ذکر آگے آئے گا اسی جگہ آباد تھے یمامہ جو نجد کے جنوب مشرق میں ہے۔ اس کی شہرت کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب جس نے نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اسی صوبہ میں پیدا ہوا تھا۔ جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی

نے مسلمان ہونے کے بعد قتل کر دیا تھا۔

④ **خیبر۔** نجد کے شمال مغرب میں حجاز کے ساتھ ملا ہوا ایک چھوٹا سا علاقہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہود کا بہت بڑا مرکز تھا۔ تیما جو خیبر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہاں بھی اس زمانہ میں یہود ہی کا دور دورہ تھا۔ تیما کے نزدیک ہی حجر یا مدائن صالح کا مشہور تاریخی مقام ہے۔ جہاں حضرت صالحؑ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے قوم ثمود ہلاک ہوئی۔ اور آنحضرت ﷺ کا جب غزوۂ تبوک کی طرف جاتے ہوئے اس مقام سے گذر ہوا۔ تو حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کے اس جگہ کے پانی سے گوندھے ہوئے آٹے پھینکوا دیئے اور تیز تیز چلنے کا حکم دیا۔ حجر کے غربی جانب ساحل سمندر کی طرف مدین کا علاقہ ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شادی کی تھی۔

⑤ **حضرموت۔** یمن کے مشرق کی طرف ایک مشہور علاقہ ہے۔ مہرہ کا علاقہ بھی حضرموت کے ساتھ ہی ملتا ہوا مشرق کی طرف واقع ہے۔

⑥ **عمان۔** عرب کے ایک مشرقی علاقہ کا نام ہے جس کا دارالخلافہ مسقط ہے جو ایک بارونق شہر ہے۔

⑦ **الاحقاف۔** یمامہ اور حضرموت کے درمیان ایک وسیع اور معروف علاقہ ہے۔ قوم عاد جن کی طرف حضرت ہودؑ مبعوث ہوئے تھے اسی علاقہ میں رہتی تھی۔

⑧ **الحساء۔** مشرق میں خلیج فارس کے ساحل کے ساتھ کا علاقہ ہے۔ جس کے قریب ہی بحرین کے جزائر ہیں جن کی وجہ سے بسا اوقات الحساء کو

بحرین بھی کہہ دیتے ہیں۔ بحرین کے ساحل سے موتی نکالے جاتے ہیں۔

باشندے

بارش کی کمی۔ صحرا کی زیادتی اور نباتاتی پیداوار کی قلت وغیرہ ایسے اسباب ہیں۔ جنہوں نے عرب کی آبادی کو بڑھنے نہیں دیا۔ تاہم ستر اسی لاکھ کے قریب اس کی آبادی بتائی جاتی ہے۔ جو ملک کے حالات کے ماتحت کم نہیں ہے۔

تقسیم اقوام کے اعتبار سے مورخین نے قبائل عرب کو دو اور ایک لحاظ سے تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

اول۔ **عرب عاربہ** یعنی عرب کے قدیم اور اصلی باشندے۔ جو آگے پھر دو قسموں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔

الف۔ ملک کے قدیم اور اصلی باشندے۔ جو اسلام سے بہت عرصہ پہلے فنا ہو چکے تھے اور جن کے مفصل حالات بعد زمانہ کی وجہ سے معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ عاد' ثمود' طسم' جدیس اور جرہم الاُولیٰ وغیرہ انہی میں سے چند مشہور قبائل کے نام ہیں۔ عرب عاربہ کے اس طبقہ کو فنا ہو جانے کی وجہ سے عرب بائدہ بھی کہتے ہیں۔

ب۔ عرب بائدہ کے بعد قبائل بنو قحطان کا دور دورہ ہوا۔ جن کا اصلی وطن یمن تھا۔ جہاں سے یہ تمام عرب میں پھیل گئے۔ بعض روایات کے

مطابق یہ لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد [1] میں سے تھے۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مدینہ کے قبائل اوس و خزرج بھی بنو قحطان میں سے تھے۔

دوم۔ **عرب مستعربہ**۔ اس طبقہ سے مراد زیادہ تر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہے۔ چونکہ یہ لوگ ملک عرب میں باہر سے آکر آباد ہوئے تھے اس لئے ان کو عرب مستعربہ یا مخلوط عرب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کا مرکز حجاز تھا۔ ان کو عدنانی بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں بڑا شخص جس سے یہ قبائل پھیلے عدنان تھا۔ قریش جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے بنو عدنان ہی کی ایک شاخ تھے۔

اسلام سے پہلے عرب کی تہذیب اور تمدن

ظہور اسلام سے پہلے عرب لوگ بالکل وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ان کا سلسلہ بیرونی دنیا سے بالکل منقطع تھا۔ اور گو قحطانی قبائل کے عروج اور ترقی کے زمانہ میں عرب کے اندر مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن کسی زمانہ میں بھی کوئی ایک سلطنت تمام عرب پر قابض نہیں ہوئی۔ بلکہ عموماً ہر قبیلہ آزاد اور اپنا الگ سردار رکھتا تھا۔ اور دوسرے قبائل کے آگے سر جھکانا عار سمجھتا تھا۔

---

[1] زرقانی جلد اصفحہ ۹۲

طرز زندگی کے لحاظ سے اہل عرب کی خوراک اور لباس بالکل سادہ اور ابتدائی حالت میں تھا۔ اکثر لوگ خانہ بدوشوں کی طرح اونٹوں پر خیمے اور دیگر ضروری سامان لاد کر پھرا کرتے تھے اور جہاں کہیں سبزہ اور پانی دکھائی دیتا تھا۔ وہیں پر ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کی کثرت کی وجہ سے کھجور کے ساتھ دودھ کا استعمال عموماً کیا جاتا تھا۔

ثرید عرب کی ایک مشہور غذا تھی جسے وہ شوربے میں روٹی بھگو کر تیار کرتے تھے۔ جنگلی اور وحشیانہ زندگی کے باعث لباس صرف ایک تہبند ہی پر مشتمل ہوتا تھا اور قمیص تو صرف خاص خاص لوگ ہی استعمال کر سکتے تھے۔ بستر عموماً کھجور کی چٹائی کا نام تھا۔ ہاں بستیوں اور شہروں میں رہنے والے آسودہ حال لوگ لکڑی کے تخت بنوا لیتے تھے۔ اس قسم کے طرز رہائش کا نقشہ عرب کے قدیم شاعروں کی نظموں میں نہایت واضح طور پر کھچا ہوا ہے۔

عربوں میں لین دین عموماً جنس کا جنس سے ہوتا تھا۔ لیکن چاندی کے دو سکے بھی رائج تھے۔ درہم اور اوقیہ۔ ایک اوقیہ کی قیمت چالیس درہم کے برابر تھی۔ سونے کا مروجہ سکہ دینار تھا۔ اور ماپنے کا آلہ صرف ذراع یعنی ہاتھ تھا۔

تجارت اور شاعری

تجارت ملک کا سب سے بڑا پیشہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں قریش مکہ کے تجارتی قافلے موسم گرما میں شمال کی طرف شام میں اور موسم سرما میں یمن کی طرف باقاعدہ آتے جاتے تھے۔

عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ سال کے مختلف حصوں میں مختلف مقامات پر بڑے بڑے میلے لگا کرتے تھے۔ جن میں دور دراز سے تاجر اور شعراء آکر شامل ہوا کرتے تھے۔ ان میلوں میں علاوہ شعر بازی اور تجارت کے کھیل تماشے بھی بکثرت ہوتے تھے۔ چنانچہ ایسے میلوں کے لئے حجاز میں عکاظ۔ یمن میں صنعا۔ بحرین میں مشقر۔ قرب شام میں دومتہ الجندل اور عمان میں وجا خاص شہرت رکھتے تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ شاعر ہوتا تھا۔ جس کی شہرت پر گویا قبیلہ کی عزت اور شہرت کا انحصار تھا۔ یہ شعراء اپنی قادر الکلامی کی وجہ سے قوم میں اس حد تک اثر رکھتے تھے کہ جب چاہتے دو قبائل میں عداوت اور خانہ جنگی کی آگ کو بھڑکا دیتے تھے۔ قوت حافظہ اس قدر زبردست تھی کہ بڑے بڑے قصیدے ایک دو مرتبہ سن کر یاد کر لیتے تھے۔

عادات اور قومی خصائل

عرب میں شراب خوری' قمار بازی اور بدکاری کی اس قدر کثرت تھی کہ الامان۔ لوگ عموماً اپنی بدکاریوں اور سیہ کاریوں کو برملا فخریہ رنگ میں بیان کیا کرتے تھے۔ وہ شاعر جس کی نظم میں اپنے قبیلہ کی بہادری اور شجاعت کے قصے بیان کرنے سے قبل اپنی اصل یا مفروضہ معشوقہ کا ذکر

نہیں ہوتا تھا۔ قابل التفات نہیں سمجھا جاتا تھا چنانچہ "بانت سعاد" کا مشہور قصیدہ جسے کعب بن زہیر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پڑھا تھا۔ عربوں کی اس خصلت کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتا ہے۔ جہالت اور بے جا مظاہرات کا یہ عالم تھا۔ کہ ذرا ذرا سی بات پر تلواریں میانوں سے نکل پڑتی تھیں۔ اور بعض اوقات یہ باتیں اس قدر طول پکڑ جاتی تھیں کہ سالہا سال تک دو قبائل میں دشمنی اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اور پھر ایک دوسرے کے حلیفوں کی شمولیت کی وجہ سے اس کا اثر اس قدر عام اور وسیع پڑتا تھا کہ قبائل کے قبائل کا صفایا ہو جاتا۔ بنو تغلب اور بنو بکر کی مشہور لڑائی جو تاریخ میں جنگ بسوس [1] کے نام سے مشہور ہے۔ جہالت اور بے جا جوش و خروش کی ایک ادنیٰ یادگار ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں عرب کے شمال مشرق میں کلیب بن ربیعہ قبیلہ بنو تغلب بن وائل کا ایک مشہور اور صاحب اثر سردار گذرا ہے جس کی بیوی جلیلہ بنت مرہ بنو بکر بن وائل میں سے تھی۔ اس جلیلہ کا ایک بھائی جساس نامی تھا جو اپنی خالہ بسوس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ بسوس کے پاس ایک شخص مہمان ٹھہرا جس کا نام سعد تھا۔ سعد کی ایک اونٹنی سراب نامی تھی جو رشتہ داری اور تعلقات کی بناء پر کلیب کی چراگاہ میں جساس کی اونٹنیوں کے ساتھ مل کر چرا کرتی تھی۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ کلیب اپنے ایک درخت کے

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر

نیچے سے گذر رہا تھا کہ اوپر سے ایک پرندہ کی آواز آئی۔ کلیب نے جو نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پرندے نے اس درخت پر اپنے گھونسلے میں انڈے دے رکھے ہیں۔ کلیب جس کے رگ و ریشہ میں بدویانہ سرداری کا خون پورے جوش کے ساتھ لہریں مار رہا تھا۔ سردارانہ انداز میں بولا "کسی سے مت ڈر میں تیری حفاظت کروں گا"۔ دوسرے دن جب کلیب کا وہاں سے گذر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ پرندہ کے انڈے درخت کے نیچے مسلے پڑے ہیں اور پرندہ اوپر درد بھری آواز نکال رہا ہے۔ اس دردناک نظارہ کو دیکھ کر کلیب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ادھر ادھر جو دیکھا تو سعد کی اونٹنی پر نظر پڑی۔ اسے شبہ ہوا کہ غالباً اسی اونٹنی نے انڈوں کو مسلا ہے۔ دوڑا دوڑا اپنے سالے جساس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ دیکھو جساس! اس وقت میرے دل میں ایک خیال ہے اگر مجھے اس کا یقین ہو تو میں ضرور کچھ کر گذروں۔ "مگر دیکھو آئندہ سعد کی یہ اونٹنی اس گلے کے ساتھ یہاں نہ چرا کرے" جساس کی رگوں میں بھی بدوی خون پورے جوش کے ساتھ موجزن تھا۔ بولا "یہ ہمارے مہمان کی اونٹنی ہے جہاں میری اونٹنیاں چریں گی۔ یہ بھی وہیں چرے گی"۔ کلیب نے کہا۔ "اچھا تو اگر مجھے یہ اونٹنی آئندہ یہاں پھرتی نظر آئی تو میں اس کے شیردان میں تیر مار کر اسے ہلاک کر دوں گا"۔ جساس بولا۔ "اگر تو نے ایسا کیا تو مجھے بھی وائل کے بتوں کی قسم ہے کہ میں خود تیرا سینہ تیر سے چھید کر رکھ دوں گا"۔ یہ کہہ کر جساس وہاں سے چلا گیا۔

کلیب سخت غضبناک حالت میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی بیوی حلیلہ

کے پاس آیا۔ اور کہنے لگے۔ حلیلہ دیکھو تو آکیا تو کسی ایسے آدمی کو جانتی ہے۔ جو میرے مقابل پر اپنے پڑوسی کی حفاظت کرے گا وہ بولی "ایسا اور تو کوئی مجھے نظر نہیں آتا۔ ہاں میرا بھائی جساس ہے اگر وہ اپنے منہ سے کوئی بات کہہ بیٹھے تو اسے کر گذرتا ہے"۔

اس کے بعد حلیلہ کو جب اصل واقعہ کا علم ہوا تو اس نے اس معاملہ کو رفع دفع کرنے کی بہتیری کوشش کی۔ مگر سب بے سود ثابت ہوئی۔ کلیب ہمیشہ موقع کی تاڑ میں رہتا تھا۔ آخر ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ جب کلیب اپنے اونٹوں کو پانی پلا رہا تھا۔ جساس بھی اپنے اونٹ لے کر آگیا۔ اور پھر اس پر مزید اتفاق یہ ہوا کہ سعد کی اونٹنی اس کے گلہ سے الگ ہو کر کلیب کی اونٹنیوں سے مل کر پانی پینے لگ گئی۔ کلیب نے خیال کیا کہ جساس نے دیدہ و دانستہ اسے چھوڑا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ کلیب تو غضب میں دیوانہ ہو گیا۔ جھٹ اپنی کمان نکالی اور اس زور سے اس کے شیردان میں تیر مارا کہ وہ بیچاری تڑپتی اور چلاتی ہوئی گھر کی طرف دوڑی اور بمشکل جساس کی خالہ بسوس کے دروازہ تک پہنچی ہی تھی کہ گر گئی۔ بسوس نے جب یہ مہیب نظارہ دیکھا تو اس کی حالت بالکل متغیر ہو گئی۔ اور عرب کے دستور کے مطابق سر کھول کر اور چلا چلا کر یہ کہنا شروع کیا کہ "شرم! شرم! ہم ذلیل کئے گئے۔ اور ہمارے مہمان کی اونٹنی ہلاک کر دی گئی"۔ جساس بھلا یہ الفاظ سن کر کب برداشت کر سکتا تھا۔ غیرت اور شرم کے مارے دیوانہ سا ہو گیا اور فوراً کلیب کو جا کر قتل کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ دونوں قبیلوں میں ایک آگ لگ گئی اور چالیس سال تک وہ

خطرناک جنگیں ہوئیں کہ خدا کی پناہ! آخر جب دونوں قبیلے لڑتے لڑتے کمزور ہو گئے تو ریاست حیرہ کا بادشاہ منذر ثالث نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی اور خدا خدا کر کے اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔

عرب کے ملک میں ثار یعنی انتقام کا اس قدر رواج تھا کہ وہ لوگ جب تک مقتول کا بدلہ قتل کی صورت میں ہی نہ لے لیتے۔ چین سے ہرگز نہ بیٹھتے۔ خون بہا کا طریق بھی ایک حد تک رائج تھا۔ لیکن مقتول کے اقرباء اور عزیزوں کے دلوں میں ایک قسم کی آگ لگ جاتی تھی اور وہ تبھی بجھ سکتی تھی جب قاتل بطور قصاص قتل کر دیا جاتا۔ مگر یہ سلسلہ صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ جب ایک طرف کی آگ بجھ جاتی تھی تو دوسری طرف بھڑک اٹھتی تھی اور اس طرح کینہ اور جوش انتقام کی خلیج ایسی وسعت اختیار کرتی تھی۔ کہ بسا اوقات قبیلے کے قبیلے تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔

جنگ کے دوران میں جہاں فوج کا قیام ہوتا۔ وہاں کسی اونچی جگہ پر آگ جلادی جاتی۔ اور جب وہ کسی وجہ سے بجھ جاتی تو فوج اسے بدشگونی سمجھ کر ہمت ہار بیٹھتی تھی۔ لڑائی کے وقت پہلے فریقین کی فوجوں کے چیدہ چیدہ آدمیوں کا انفرادی مقابلہ ہوتا تھا اور پھر عام دھاوا بول دیا جاتا تھا۔ تلوار' نیزہ اور تیر کمان عربوں کے مشہور آلات جنگ تھے۔ جب کسی قوم کے آدمیوں میں مخالف کی یلغار سے مرعوب ہو کر بھاگڑ پڑنے لگتی تھی۔ تو عورتیں شعر پڑھ پڑھ کر اپنے قبیلہ کو غیرت اور شرم دلاتی تھیں۔ جس کا نتیجہ عموماً اچھا ہوتا اور قوم جم کر مقابلہ کرنے لگتی۔

عربوں میں سخاوت ایک اعلیٰ درجہ کا وصف سمجھتا جاتا تھا۔ حاتم طائی جس کی سخاوت کے قصے زبان زدِ خلائق ہیں عرب ہی کا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عربوں کا یہ وصف اتنا محبوب تھا کہ جب ایک جنگ میں حاتم طائی کی لڑکی اسلامی فوج کے ہاتھوں قید ہو کر حضورؐ کے سامنے پیش کی گئی تو حضور نے اسے اور اس کی وجہ سے اس کی قوم کو بھی محض اس بناء پر آزاد کر دیا کہ وہ ایک سخی کی بیٹی ہے۔

عورت کی حیثیت

اسلام سے قبل عورت کی حالت عرب میں نہایت خطرناک تھی۔ ایک مرد جتنی بیویاں چاہتا اپنے نکاح میں رکھ سکتا تھا اور جب کسی عورت کو تنگ کرنا مقصود ہوتا تو اسے معلقہ رکھ کر ایذا دے سکتا تھا۔ بعض قبائل میں لڑکی کا کسی اور کے ساتھ شادی کر دینا باعث ہتک اور موجب ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ دختر کشی کی قبیح رسم جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور روح کانپنے لگتی ہے۔ ان ظالم اور سنگدل انسانوں کے لئے ایک معمولی بات تھی لڑکی۔ جب پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچ جاتی اور میٹھی میٹھی اور دل لبھانے والی باتیں کرنے لگتی تو اس کا بے رحم اور سفاک باپ اسے نہلا دھلا کر اور اچھے کپڑے پہنا کر بستی سے باہر لے جاتا۔ جہاں وہ پہلے سے ایک گڑھا کھود آتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس معصوم اور بے گناہ بچی کو گڑھے کے کنارے پر کھڑا کر کے اپنے

ہاتھوں سے دھکا دے کر گرا دیتا اور اوپر سے مٹی ڈالنے لگ جاتا۔ لڑکی بے چاری چیختی۔ چلاتی اور اپنے معصومانہ انداز میں باپ کو کہتی کہ ابا جان میں مری۔ جلدی مجھے باہر نکالو اور مٹی نہ ڈالو۔ مگر آہ! ظالم باپ تھا کہ اس پر اپنی لخت جگر کی آہ وبکا کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس پر مٹی ڈالتا جاتا۔ یہاں تک کہ گڑھا زمین کے برابر ہو جاتا۔ اور وہ لڑکی ہمیشہ کے لئے اس جہان سے رخصت ہو جاتی۔

اب تم خود اندازہ لگالو کہ وہ قوم جو اپنی بے گناہ لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کا ظالمانہ سلوک کرتی ہو وراثت اور دیگر حقوق میں ان کا کیسے خیال رکھ سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص نرینہ اولاد کے بغیر فوت ہو جاتا تو عرب کی رسم کے مطابق اس کے ترکہ سے اس کی بیوی اور لڑکیاں محروم رہتیں اور تمام مال پر اس کا بھائی قابض ہو جاتا اور وہ بیچاریاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ جاتیں۔

اور باتوں کو جانے دو سوتیلی ماں کا یہ حال ہوتا کہ باپ کے مرنے پر لڑکا اس پر بطور ورثہ قبضہ کر لیتا تھا۔ خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس محسن نبی پر۔ جس کی بعثت سے عورت کو اس قسم کی ذلت آمیز اور پر مصائب زندگی سے نجات ملی۔

توہم پرستی

توہم پرستی کا مرض عرب میں عام تھا۔ بعض قبائل کے لوگ جب گھر

سے سفر کے لئے نکلتے تو اگر کسی وجہ سے انہیں واپس آنا پڑتا تو دروازہ سے داخل ہونے کی بجائے مکان کے پیچھے سے دیوار پھاند کر اندر آتے۔
جانوروں کو بتوں کے نام پر یا کسی نذر کے نتیجہ میں آزاد چھوڑ دیتے۔ نکاح کے متعلق بھی عجیب عجیب قبیح رسمیں ان میں رائج تھیں۔ غرضیکہ یہ اس قدر وسیع مضمون ہے کہ اگر عرب کی اسلام سے قبل کی حالت کا مکمل نقشہ کھینچا جائے تو ایک بڑی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

اسلام سے پہلے عرب کی مذہبی حالت

عام طور پر عرب کا مذہب بت پرستی تھا۔ یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی اور دہریہ بھی اس ملک کے خاص خاص علاقوں میں مل جاتے تھے۔ لیکن ان تمام مذاہب میں ملکی حیثیت بت پرستی کو ہی حاصل تھی۔ جس کے پیرو بتوں کو اپنی حاجات کے پورا ہونے کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ بڑے بڑے مشہور بتوں کے نام یہ تھے۔ لات، منات، عزیٰ، سواع، یغوث، ہبل، ود، یعوق، نسر، اساف اور نائلہ وغیرہ۔ خانہ کعبہ بتوں کا مرکز تھا جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔
مہینوں میں چار ماہ یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب خاص طور پر عزت کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ جن میں کشت و خون منع تھا۔ اور ملک کے لوگ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔
غرض اسلام سے پہلے عرب کی حالت کیا بلحاظ تمدن و معاشرت اور کیا

بلحاظ مذہب و طریقت اس قدر خطرناک اور بگڑی ہوئی تھی کہ اگر اسلام نہ آتا تو اور کوئی مذہب اس کی اصلاح نہیں کر سکتا تھا چنانچہ سر ولیم میور کو بھی جو اسلام کا دشمن ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ وہ لکھتا ہے :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جوانی کے زمانہ میں عرب ایک بندھی لکیر پر چلنے والے لوگ تھے۔ اور ملک کی حالت ہر قسم کے تغیر اور اصلاح کی سخت مخالف تھی بلکہ اس کی تمام تاریخ میں شاید اس زمانہ سے بڑھ کر کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جب اس کی اصلاح اس وقت سے زیادہ مشکل اور مایوس کن ہو.........
عیسائی مذہب کی پانچ سو سال کی تبلیغی کوششوں کا یہی نتیجہ تھا۔ کہ ملک میں خال خال عیسائی نظر آتے تھے۔ اور بس۔ یہودی مذہب زیادہ طاقت ور تھا لیکن ایک تبلیغی مذہب کے طور پر وہ بھی اب گویا بالکل رہ چکا تھا۔ لیکن بت پرستی اور بنو اسماعیل کے توہمانہ اعتقاد کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ کی دیواروں سے آ آ کر ٹکراتا تھا"۔

(دیباچہ لائف آف محمد صفحہ ۸۴۔۸۵)

اور یہ حالت صرف عرب ہی کی نہ تھی بلکہ ساری دنیا پر سخت تاریکی کا دور دورہ تھا۔ تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ ساری دنیا پر گمراہی اپنا دامن پھیلا چکی تھی۔ اور اس وقت کے عالم کا نقشہ ٹھیک اس مسدس کے مطابق تھا جسے حسن صاحب رہتاسی

نے خاکسار کی خواہش پر نظم کیا ۔

اندھیرا تھا جب ساری دنیا پہ چھایا جہالت نے طوفان تھا اک اٹھایا
بشر نے تھا فطرت کو اپنی بھلایا بھائی نہ دیتا تھا اپنا پرایا
حکومت تھی ظلمت کی ہر خشک و تر میں
تو فرماں مفاسد کا تھا بحر و بر میں

نہ پورب کی محبوب کوئی ادا تھی نہ پچھم کے ہاتھوں میں تازہ حنا تھی
نہ اتر میں کچھ درد دل کی دوا تھی نہ دکن کی آب و ہوا دلکشا تھی
نہ محفل نہ ساقی نہ صہبا تھی باقی
نہ محمل نہ ناقہ نہ لیلیٰ تھی باقی

نہ ہندوستاں میں وہ پہلی حیا تھی نہ نقاشی چین میں کچھ جلا تھی
نہ قانون یوناں میں باقی شفا تھی نہ ایراں کی آتش میں گرمی ذرا تھی
مٹا علم و حکمت کا نام و نشاں تھا
وجود جہاں پر عدم کا گماں تھا

عرب جو فقط اک جرائم کا گھر تھا جسے خوف دنیا نہ عقبیٰ کا ڈر تھا
اوامر کی تعظیم سے بے ہنر تھا نواہی کی تکریم میں نامور تھا
"بتوں کی پرستش تو محبوب تر تھی
خدا کی طلب لیک معیوب تر تھی"

بڑوں کی نہ کچھ ان کے دل میں تھی عظمت نہ چھوٹوں سے کچھ راہ و رسم محبت
دلوں میں بھی وحشت زبانوں پہ وحشت نہیں جانتے تھے۔ ہے کیا آدمیت

گریبان عفت میں تھا تار باقی
نہ عصمت کی چادر کے آثار باقی
خدا کا وہ گھر جس کو سب جانتے ہیں زمیں کی اسے ناف سب مانتے ہیں
سپید و سیاہ سارے پہچانتے ہیں مسلماں جسے قبلہ گردانتے ہیں
"وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا"
زبانوں پہ جاری تھا چرچا بتوں کا دلوں پر مسلط تھا سکہ بتوں کا
یہاں تک مسلم تھا درجہ بتوں کا خدا کے بھی گھر پر تھا قبضہ بتوں کا
نہ دو چار۔ چھ سات یا آٹھ تھے وہ
ہے کعبہ گواہ تین سو ساٹھ تھے وہ
کہ ناگاہ افق میں چڑھا مہر انور "وہ فخر عرب زیب محراب و منبر"
اجالا کیا جس نے ہر بحر و بر پر اندھیروں کے اندر گھسے بوم و شپر
گئی ظلمت شب ہوا روز روشن
چھٹا دست لیلیٰ سے مجنوں کا دامن
وہ خورشید ایران و توراں پہ چمکا عرب اور عجم روم و یوناں پہ چمکا
گلستاں پہ ریگ بیاباں پہ چمکا تر و خشک پر کوہ و میداں پہ چمکا
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا
نہ مقصود تھا اس کا فیضاں نسب تک نہ محدود و مسدود صحن عرب تک

تھا پھیلا ہوا روم و شام و حلب تک رہے گا یونہی جیسے پاتے ہو اب تک

جہاں میں وہی ہیں پیمبر کے وارث
خدا نے کیا جن کو کوثر کے وارث

خدا نے جو دی اس کو نعمت تھی کامل عطا کی اسے جو نبوت تھی کامل
شریعت تھی کامل طریقت تھی کامل ملی جس قدر اس کو دولت تھی کامل

"خداداد نعمت کی تعمیم کر دی"
جو دولت ملی سب میں تقسیم کر دی

نہ آتا اگر حق سے قرآن لے کر اوامر نواہی کا دیوان لے کر
دکھوں اور دردوں کا درمان لے کر بدی اور نیکی کی میزان لے کر

حقائق یہ سب غیر معلوم رہتے
خدائی کے اسرار مکتوم رہتے

محبت کی آپس کی تدبیر کر دی بڑھے جس سے الفت وہ تقریر کر دی
دلوں کی مطہر نے تطہیر کر دی جو ذلت میں تھے ان کی توقیر کر دی

جو مدت کے بچھڑے تھے ان کو ملایا
نئے سر سے بھائی کو بھائی بنایا

قبائل کی ستول تنظیم کر دی ترقی کی راہ ان کو تعلیم کر دی
تنزل سے بچنے کی تفہیم کر دی کتاب تمدن میں ترمیم کر دی

"رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا"

سبق ان کو توحید حق کا پڑھایا بتوں کی غلامی سے یکسر چھڑایا

عبادت کا سچا طریقہ سکھایا "بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا"

جو ناقص تھے کل آج کامل ہوئے وہ
خدا کی امانت کے حامل ہوئے وہ

بہت اس کے احساں سلاطین پر ہیں بہت بیگمات و خواتین پر ہیں
بہت سے شیوخ و خوانین پر ہیں یتامیٰ۔ ایامیٰ مساکین پر ہیں

ہمارا دل و جان اس پر فدا ہے
کہ وہ حق و حکمت ہے اور حق نما ہے

باب دوم

حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔

خانہ کعبہ اور قریش

حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ جنہیں مسلمان عیسائی اور یہودی سب کے سب خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور مقرب نبی تسلیم کرتے ہیں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ستائیس اٹھائیس سو سال پہلے گذرے ہیں۔ آپ عراق کے رہنے والے تھے۔ مگر بعد میں وہاں سے ہجرت اختیار کر کے مصر وغیرہ سے ہوتے ہوئے بالآخر جنوبی فلسطین میں آباد ہو گئے آپ کی تین بیویاں تھیں۔ مگر ان میں سے حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ دو مشہور ہیں۔ اول الذکر سے حضرت اسماعیلؑ اور ثانی الذکر سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے لڑکے حضرت اسماعیلؑ ہنوز بچہ ہی تھے کہ ان کی سوتیلی والدہ حضرت سارہ نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر

حضرت ابراہیم سے کہا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسماعیل کو گھر سے نکال دو۔ حضرت ابراہیم کو اس پر طبعاً رنج پیدا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے جسے سرزمین حجاز میں اسماعیل کی نسل سے ایک عظیم الشان قوم پیدا کرنا تھی حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا۔ "رنجیدہ مت ہو اور اس بات کو برا نہ جان۔ بلکہ جیسے سارہ کہتی ہے۔ ویسے ہی کر۔ اسحاق بھی تیری اولاد ہے۔ مگر مجھے ہاجرہ کے فرزند سے ایک قوم بنانا ہے"۔[1]

چنانچہ اس ارشاد خداوندی کے ماتحت حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اپنے ہمراہ لیا اور سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے مکہ[2] کی غیر آباد اور ویران وادی میں تھوڑے سے زاد کے ساتھ بالکل بے سرو سامانی کی حالت میں تنہا چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس چل دیئے۔[3]

ہاجرہ حضرت ابراہیمؑ کی اس طرح خاموش واپسی کو دیکھ کر نہایت درد آمیز لہجہ میں بولیں۔ "آپ ہمیں اس طرح اکیلے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں"۔ حضرت ابراہیم نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا۔ مگر جب حضرت ہاجرہ نے دوبارہ دریافت کیا کہ "آپ کچھ تو جواب دیں۔ کیا خدا کی طرف سے

---

[1] پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۲۔ ۱۳۔ [2] یہ وہ وادی ہے جہاں اب مکہ آباد ہے۔

[3] عیسائی مورخین کے اس اعتراض کے جواب میں کہ حضرت اسماعیلؑ کے عرب میں آباد ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ دیکھئے سیرت خاتم النبیین حصہ اول از صفحہ ۸۵ تا ۸۸

آپ کو ایسا حکم ملا ہے"۔ تو پھر حضرت ابراہیم نے کہا "ہاں" اور چل دیئے۔ حضرت ہاجرہ نے جب یہ الفاظ سنے تو بولیں کہ "اگر خدا کے حکم کے ماتحت آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو پھر بے شک آپ جائیں۔ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا"۔

حضرت ہاجرہ نے تو یہ کہا اور خدا تعالیٰ پر توکل کر کے واپس لوٹ آئیں۔[1] لیکن حضرت ابراہیم کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ جب آپ اپنی پیاری بیوی اور معصوم بچے کو تنہا چھوڑ کر واپس جا رہے تھے تو تھوڑی دور جا کر پیچھے نظر ڈالی اور قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق یوں دعا کی۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۔[2]

یعنی "اے ہمارے رب میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو اس غیر آباد و بنجر وادی میں تیرے عزت والے گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب یہ کام میں نے اس لئے کیا ہے کہ تا وہ تیری عبادت کریں اور تیرے لئے ان کی زندگی وقف ہو۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف جھکا دے اور ان کو اچھے اچھے ثمرات کا رزق عطا کر تا کہ وہ تیرے شکر گذار ہوں"۔

---

[1] بخاری و تاریخ خمیس۔ [2] سورۃ ابراہیم:۳۸

اب حضرت ہاجرہ کا حال سنئے۔ حدیث اور تاریخ دونوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ہاجرہ کا زاد ختم ہو گیا اور بچے کو پیاس نے بیتاب کر دیا۔ تو ان کو سخت فکر دامنگیر ہوا۔ ادھر دوڑیں' ادھر بھاگیں مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ ادھر بچہ تھا کہ اس کی حالت لحظہ بہ لحظہ ابتر ہوتی جاتی تھی۔ حضرت ہاجرہ اپنے اس ننھے اور معصوم لخت جگر کو دیکھتی تھیں مگر کچھ کر نہ سکتی تھیں۔ آخر جب اس کی حالت زار انتہا کو پہنچ گئی تو حضرت ہاجرہ اٹھیں اور آسمان کی طرف منہ کر کے رونے لگیں۔ پھر خیال آیا کہ اس سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھوں ممکن ہے وہاں سے کوئی نظر آجائے۔ چنانچہ بھاگتی ہوئی صفا پر چڑھ گئیں۔ لیکن جب وہاں سے بھی کچھ نظر نہ آیا تو مروہ کا رخ کیا جب وہاں سے بھی کچھ دکھائی نہ دیا تو پھر صفا کی طرف واپس آئیں اور اس طرح نہایت پریشانی اور گھبراہٹ میں سات چکر کاٹے۔ کہتے ہیں حضرت ہاجرہ اس دوران میں روتی بھی جاتی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتی جاتی تھیں آخر جب ساتواں چکر کاٹ چکیں تو غیب سے ایک فرشتہ نے آواز دی کہ

"اے ہاجرہ اللہ نے تیری اور تیرے بچہ کی آواز سن لی"۔

یہ آواز سن کر وہ بچہ کے پاس واپس آئیں۔ دیکھا کہ ایک فرشتہ کھڑا ہے اور اپنے پاؤں کی ایڑی اس طرح زمین پر مار رہا ہے کہ گویا کوئی چیز کھود کر نکال رہا ہے۔ حضرت ہاجرہ آگے بڑھیں۔ دیکھا تو وہاں ایک چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ جو آج چاہ زمزم کے نام سے مشہور ہے وہ اس خدائی

کرشمہ کو دیکھ کر خدا کا شکر بجالائیں۔ بچہ کو پانی پلایا۔ اور اس خوف سے کہ کہیں پانی ضائع نہ ہو جائے ارد گرد منڈیر بنادی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے "کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ "اللہ رحم کرے حضرت ہاجرہ پر اگر وہ اس پانی کو نہ روکتی تو وہ ایک بہنے والا چشمہ ہو جاتا" آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا ہاجرہ ہی کی مقدس یادگار ہے [1] خیر جب زمزم کے وجود کی لوگوں کو اطلاع ہوئی تو حضرت ہاجرہ کی اجازت سے لوگ وہاں آکر آباد ہونا شروع ہوئے۔ لکھا ہے کہ سب سے پہلے بنو قحطان کے ایک قبیلہ جرہم کے سردار مضاض بن عمرو نے وہاں رہائش اختیار کی۔

حضرت ابراہیمؑ بھی کبھی کبھی مکہ آیا کرتے تھے بعض روایات کی رو سے جب حضرت اسماعیل تیرہ سال کے ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا کہ وہ آپ کو ذبح کر رہے ہیں [2] چونکہ ملک میں انسانی قربانی کا دستور تھا اور حضرت ابراہیمؑ پر ابھی تک اس کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے اسے ظاہری صورت میں پورا کرنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ سے ذکر کیا۔ فرمانبردار بیٹے نے فوراً اس خدائی حکم کی تعمیل کے لئے سر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ بالکل قریب تھا کہ حضرت

---

[1] بخاری کتاب بدء الخلق و سیرۃ ابن ہشام

[2] بائبل میں حضرت اسحاق کو ذبیح بیان کیا گیا ہے لیکن خود بائبل کے دوسرے بیانات سے اور اسلامی روایات کی شہادت سے ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ مفصل بحث کیلئے دیکھئے سیرت خاتم النبیین حصہ اول صفحہ ۸۸ تا ۹۲

ابراہیمؑ اس کی گردن پر چھری پھیر دیتے کہ ایک غیبی آواز آئی۔ "اے ابراہیم تو نے اپنی طرف سے اپنی خواب کو پورا کر دیا۔ اب اسماعیل کو چھوڑ اور اس کی جگہ ایک مینڈھا لیکر خدا کی راہ میں قربان کردے کہ ظاہر میں یہی اس کی علامت ہے لیکن خواب کا جو حقیقی منشاء ہے [1] وہ اور طرح پورا ہوگا" [2] چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا اور اس کی یادگار میں اسلام میں حج کے موقعہ پر قربانی کی رسم قائم ہوئی جس میں ہزارہا جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

تعمیر کعبہ اور دعائے خلیل بہمراہی اسماعیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب چوتھی دفعہ مکہ میں تشریف لائے تو خانہ کعبہ جس کے نشانات مرور زمانہ کی وجہ سے مٹ چکے تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس کی جگہ کا علم پاکر نئے سرے سے اس کی تعمیر شروع کی۔ چنانچہ سر ولیم میور ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ "زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے تمام

---

[1] ہمارے نزدیک اس ذبح کرنے کے حقیقی منشاء سے مراد خدا کے رستہ میں وقف کرنا ہے۔ جو دو طرح سے پورا ہوا۔ اول خود حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ کہ انہیں وادی غیرذی زرع میں خداتعالیٰ کی خاطر اکیلے رہنا پڑا۔ دوم۔ اس مقدس خواب کی تعبیر میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ذریعہ جنہوں نے حقیقی معنوں میں اپنی زندگیوں کو قربان کر دیا۔ علاوہ ازیں حج کے موقعہ پر بھی قربانی کی رسم اسی مقدس یادگار کو تازہ کرنے کے لئے ہے۔

[2] قرآن شریف سورۃ صافات و تفسیر ابن جریر شرح سورۃ مذکور۔

اطراف کے لوگ کرتے رہے ہیں......... اس قدر عام طور پر سارے ملک کے اندر اس عزت کا حاصل ہونا یقیناً ایک ایسے قدیم زمانہ سے ہونا چاہئے جس کے پرے کوئی زمانہ تجویز نہیں ہو سکتا۔"

غرض خدا کے اس مقدس گھر کی تیاری کے لئے بیٹا پتھر لا لا کر دیتا تھا اور باپ عمارت کھڑی کرتا جاتا تھا۔ اور جب دیواریں کچھ اونچی ہو گئیں تو حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کے ایک کونہ میں ایک خاص پتھر[1] اس لئے نصب کیا کہ تا طواف کرنے والوں کے لئے اس بات کا نشان ہو کہ وہ بیت اللہ کا طواف یہاں سے شروع کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعمیر کا ذکر ان الفاظ میں ہے :-

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ [2] وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

---

[1] ۔ یہی حجر اسود ہے جسے طواف کے وقت منہ سے یا ہاتھ کے اشارہ سے بوسہ دیا جاتا ہے مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ خود کوئی مقدس چیز نہیں ہے بلکہ صرف ایک یادگار ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر خلیفہ ثانیؓ طواف کر رہے تھے تو آپ نے حجر اسود کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ "تو صرف ایک پتھر ہے جسے نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت حاصل نہیں ہے اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا۔ تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔" (بخاری کتاب وجوب الحج) [2] سورہ آل عمران رکوع ۱۰

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ- رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ- رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ- [1]

"بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے فائدہ کی غرض سے خدا کی عبادت کے لئے بنایا گیا۔ وہ وہی ہے جو وادی بکہ میں ہے جو برکت دیا گیا ہے۔ اور ہدایت کا باعث بننے والا ہے سارے جہان کے لئے۔ اور یاد کر جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اس وقت وہ اللہ سے دعائیں کرتے تھے۔ کہ اے ہمارے رب تو ہماری طرف سے اس خدمت کو قبول کر۔ بے شک تو بہت سننے والا اور جاننے والا ہے اور اے رب ہمارے تو ہم دونوں کو اپنے فرمانبردار بندے بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک فرمانبردار جماعت پیدا کر۔ اور ہم کو عبادت اور حج کے طریقے بتا اور ہماری طرف رجوع برحمت ہو بے شک تو رحمت کے ساتھ رجوع کرنے والا ہے اور بہت مہربان ہے اور اے ہمارے رب تو مبعوث کیجیو ان میں اپنا ایک رسول انہی میں سے جو تیری آیات ان کو سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک وصاف کرے

---

[1] سورہ بقرہ رکوع ۱۵

بے شک تو غالب اور حکیم ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو مدنظر رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ "میں ابراہیم کی دعا کا ثمرہ ہوں" [1]

اعلان حج

خانہ کعبہ کی تعمیر جب مکمل ہو چکی تو حضرت ابراہیمؑ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا :-

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ [2]

"میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے پاک و صاف رکھ اور اعلان کر لوگوں میں کہ وہ اس کے حج کے لئے آئیں۔ وہ آئیں گے تیرے پاس پیدل چل کر اور دبلی پتلی (یعنی لمبے لمبے سفر کرنے والی) اونٹنیوں پر سوار ہو کر جو ہر دور دراز رستے سے آئیں گی۔

یہ اعلان بیت اللہ کا مرکز بننے کی ایک زبردست پیشگوئی تھی جو آج تک ہر سال حج کے دنوں میں تازہ ہو کر خدا تعالیٰ کی ہستی کا زندہ ثبوت بن رہی ہے۔

---

[1] ابن عساکر بحوالہ جامع الصغیر۔ [2] سورہ حج: آیت ۲۷، ۲۸

تولیت کعبہ

حضرت اسماعیلؑ کی شادی قبیلہ جرہم کے رئیس مضاض بن عمرو کی لڑکی سے ہوئی۔ جس سے آپ کے ہاں بارہ لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے قیدار جن کی نسل زیادہ تر عرب میں پھیلی۔ سب سے چھوٹے تھے۔ اور قریش بھی قیدار ہی کی نسل سے ہیں۔ حضرت اسماعیل اور پھر ان کے بڑے بیٹے نابت کی زندگی تک تو کعبہ کی تولیت اسی خاندان کے سپرد رہی۔ لیکن بعد میں حضرت اسماعیلؑ کے خسر اور قبیلہ جرہم کے سردار مضاض بن عمرو کے پاس آگئی۔ مگر ایک طویل عرصہ کے بعد بنو قحطان کی ایک شاخ بنو خزاعہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ مکہ چھوڑنے سے قبل قبیلہ جرہم کے رئیس عمرو بن الحرث نے اپنے قومی اموال چاہ زمزم میں ڈال کر اسے اوپر سے بند کر دیا تھا۔ اور پھر سینکڑوں سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے اس کا کھوج نکال کر نئے سرے سے جاری کیا۔

کعبہ میں بتوں کی آمد

اسی قبیلہ خزاعہ کا ایک رئیس عمرو بن لحی تھا۔ اس نے کہیں شام کے بت پرستوں کو جو بت پرستی کرتے دیکھا۔ تو اس کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا کہ کعبہ جو عرب کا مذہبی مرکز ہے اس میں بھی ضرور ایسے بت ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اس نے چند بت لا کر کعبہ کے پاس نصب

کر دیئے [1] اور پھر آہستہ آہستہ کعبہ میں بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تک پہنچ گئی۔

وہ اک بت پرستوں کا تیرتھ بنا تھا
جہاں تین سو ساٹھ بت بج رہا تھا [2]۔

تولیت کعبہ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب قبیلہ خزاعہ کو بھی کعبہ کی تولیت پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا تو حضرت اسماعیل ؑ کی اولاد میں سے ایک شخص قصی بن کلاب نے جو بہت سمجھ دار اور فہیم آدمی تھا۔ اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ کعبہ کی تولیت اولاد اسماعیل کا ورثہ ہے اور کوئی قوم اس کی حقدار نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے مکہ میں آکر قبیلہ خزاعہ کے رئیس حلیل بن حبشیہ کی لڑکی حبی سے شادی کر لی۔ حلیل جب مرنے لگا تو اس نے یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد کعبہ کی تولیت میری لڑکی حبی زوجہ قصی بن کلاب کے سپرد ہو۔ اب انتظام تو عملاً قصی ہی کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ اسی قدر پر خوش نہیں تھا۔ بلکہ وہ چاہتا تھا کہ اصل حقدار ہونے کی حیثیت سے مکمل حقوق تولیت کعبہ کے وہ خود حاصل کرے۔ بنو خزاعہ کو جب اس کے ان ارادوں کا علم ہوا تو وہ سخت مزاحم ہوئے بلکہ فساد پر

---

[1]۔ ابن ہشام۔ [2]۔ مسدس حالی

آمادہ ہو گئے۔ دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی آخر ایک شخص عمرو بن عوف ثالث پر فیصلہ ٹھہرا۔ اس نے قصی کے حق میں فیصلہ دیا اور اس طرح ایک بہت لمبے عرصہ کے بعد "حق بحقدار رار سید"۔ پھر خانہ کعبہ کی تولیت بنو اسماعیل کے ہاتھ آگئی۔

کسوہ کعبہ

کہتے ہیں۔ یمن کا ایک بادشاہ تبع اسعد نامی تھا اس نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ کو غلاف چڑھا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اس خواب کو ظاہری شکل میں بھی غلاف چڑھا کر پورا کر دیا۔ پھر یہ رسم چل پڑی۔ حتیٰ کہ اسلام میں بھی جاری رہی چنانچہ آج تک ہر سال باقاعدہ ایک نیا قیمتی غلاف چڑھایا جاتا ہے اور پہلا اتار کر حاجیوں میں تقسیم یا فروخت کر دیا جاتا ہے۔

قریش

قریش نام کی ابتداء حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ایک شخص فہر بن مالک کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ وجہ تسمیہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس شخص کے زمانہ میں چونکہ بنو اسماعیل بہت زور اور طاقت پکڑ گئے تھے۔ اس لئے قریش مچھلی کی مشابہت کی بناء پر جو کہ بہت بڑی ہونے کی وجہ سے دوسری چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے اس قبیلہ کا نام قریش رکھا گیا۔ لیکن بعض کا خیال ہے کہ قصی بن کلاب نے

جب تولیت کعبہ حاصل کی اور اپنے قبیلہ کی مختلف شاخوں کو مکہ میں جمع کر کے آباد کیا۔ تو اس وقت اس کا نام قریش پڑ گیا۔ کیونکہ لفظ قریش کے مادہ میں ایک مفہوم جمع کرنے کا بھی پایا جاتا ہے۔

قصی بن کلاب

قصی بن کلاب جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ایک غیر معمولی قابلیت کا انسان تھا۔ یہ پانچویں صدی عیسوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ڈیڑھ سو سال پہلے ہوا ہے۔ اس نے نہ صرف کعبہ کے پہلے انتظام کو ہی برقرار رکھا بلکہ قوم کی ایک باقاعدہ تنظیم کر کے نئے سرے سے ایک جمہوری سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

دار الندوہ

قصی نے کعبہ کے پاس ایک دار الندوہ بھی بنایا جس میں قریش اپنے تمام قومی کام سرانجام دیتے تھے ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کے قتل کا فیصلہ بھی سرداران قریش نے اسی دار الندوہ میں کیا تھا۔

قصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے۔ جن میں سے دو یعنی عبد الدار اور عبد مناف زیادہ مشہور ہیں۔ قصی نے اپنی وفات کے بعد اپنا قائم مقائم عبد الدار کو تجویز کیا تھا۔ عبد الدار نے اپنی زندگی میں تو اس کام کو نبھاہا لیکن اس کی وفات کے بعد کعبہ کی تولیت اس کی اولاد سے بنو عبد مناف یعنی عبد شمس، مطلب، ہاشم اور نوفل نے اپنی قابلیت اور روشن ضمیری

کے باعث چھین لی۔ اس پر طرفین میں باہم جھگڑا ہو گیا اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جاتی مگر آخر صلح صفائی کے ساتھ فیصلہ ہو گیا اور ہر دو مناصب یعنی افادہ [1] اور سقایہ [2] بنو عبد مناف کو مل گئے اور باقی تین مناصب یعنی دار الندوہ کا انتظام، لوا اور حجابہ بنو عبد الدار کے پاس رہے۔ بنو عبد مناف نے آپس کے مشورہ سے سقایہ اور افادہ کا متولی ہاشم کو مقرر کر دیا۔

ہاشم

ہاشم ایک سنجیدہ اور معاملہ فہم ہونے کے علاوہ سخاوت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے قریش کے لئے قحط کے ایام میں اپنی فیاضیوں کا وہ ثبوت دیا کہ تمام قبائل اس کے گرویدہ ہو گئے رومی اور غسانی فرمانرواؤں کے پاس جا جا کر قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے حقوق حاصل کئے۔ عبد شمس کے بیٹے امیہ کے دل میں ہاشم کی یہ ناموری اور شہرت خار کی طرح کھٹکنے لگی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ عبد المطلب بن ہاشم نے بھی اپنی زندگی میں بنو امیہ کو دبائے رکھا۔ اب عبد المطلب کی وفات کے بعد ہاشم کے پوتوں کا زمانہ آیا۔ چونکہ ان میں کوئی صاحب اثر آدمی نہیں تھا اس لئے بنو امیہ آہستہ آہستہ زور پکڑ گئے۔ اور ہاشم کا

---

[1]۔ غریب حاجیوں کے لئے اعانت کا انتظام کرنا [2]۔ حج کے ایام میں حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کرنا

خاندان کمزور ہو گیا۔

عبد المطلب

ہاشم ایک دفعہ بسلسلہ تجارت یثرب یعنی مدینہ میں گیا اور وہاں جاکر قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنو نجار کی ایک لڑکی سلمیٰ سے شادی کی۔ جس سے مدینہ میں ہی ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ شیبہ ابھی بچہ ہی تھا کہ ہاشم مکہ میں انتقال کر گیا۔ اور چونکہ اس کے دوسرے بچے ابھی کم سن ہی تھے اس لئے ان کی وفات کے بعد اس کی جگہ اس کے بڑے بھائی مطلب نے لے لی۔

مطلب کو کسی شخص کے ذریعہ شیبہ بن ہاشم کی غیر معمولی قابلیت اور ہونہاری کا علم ہوا۔ تو وہ فوراً مدینہ میں گیا اور اس کو اپنے ساتھ لیکر مکہ واپس آیا۔ مکہ کے لوگوں نے سمجھا کہ شاید مطلب کوئی غلام لایا ہے۔ اس لئے شیبہ عبد المطلب کے نام سے مشہور ہو گیا عبد المطلب تھا تو قابل اور سمجھدار لیکن چونکہ تھا نووارد اس لئے شروع شروع میں اسے اپنی وراثت کے حصول کے لئے بہت سی مشکلات کا سامنا ہوا۔ نوفل بن عبد مناف جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہ چاہتا تھا کہ تولیت کے مناصب کی سرانجام دہی اس کے سپرد ہو۔ عبد المطلب نے پہلے تو قریش سے اپیل کی لیکن جب انہوں نے دخل دینے سے انکار کر دیا تو یثرب سے اپنے ننھیال بنو نجار سے امداد کا طالب ہوا انہوں نے جھٹ اسی بہادر بھیج دیئے۔ جن کا نوفل پر ایسا رعب چھایا کہ فوراً جھگڑے سے دستبردار ہو گیا۔

بنو عبد شمس تو پہلے ہی خلاف ہو چکے تھے۔ اب بنو نوفل کے ساتھ بھی تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ گویا عبد مناف بن قصی کی دو پارٹیاں ہو گئیں۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک طرف ہو گئے اور بنو نوفل اور بنو عبد شمس دوسری طرف۔ اس جتھہ بندی کا یہاں تک اثر رہا۔ کہ بنو ہاشم اور دیگر مسلمان جب شعب ابی طالب میں محصور ہوئے تو اس وقت بھی بنو مطلب نے بنو ہاشم کا ساتھ دیا۔ مگر بنو نوفل اور بنو عبد شمس کفار کے ساتھ رہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مال غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ اللہ۔ اس کے رسول اور رسول کے قریبی رشتہ داروں کے لئے نکالتے تھے تو اپنے قبیلہ بنو ہاشم کے ساتھ بنو مطلب کو بھی برابر کا حصہ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب تو ایک ہی ہیں [1] لیکن بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو شامل نہیں کیا کرتے تھے۔

عبدالمطلب سے ایک خواب کی بناء پر چاہ زمزم کی تلاش پر مذاق!

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قبیلہ جرہم کے رئیس عمرو بن الحرث کو بنو خزاعہ کے تسلط کی وجہ سے مکہ چھوڑنا پڑا تو اس نے اپنے قومی اموال کو چاہ زمزم میں ڈال کر اوپر سے بند کر دیا تھا۔ اب جبکہ اس واقعہ کو صدیاں

---

[1] ۔ بخاری باب مناقب قریش

گذر گئیں اور سقایۃ الحاج کا کام عبد المطلب کے ہاتھ میں آیا۔ تو اسے ایک خواب میں چشمہ زمزم کا نشان بتلایا گیا۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ قریش نے بجائے مدد کرنے کے دونوں باپ بیٹے کا خوب مذاق اڑایا اس پر عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر خدا اسے دس بچے دے گا اور وہ دسوں اس کی آنکھوں کے سامنے جوان ہو جائیں گے تو وہ ایک بچہ ان میں سے قربان کر دے گا۔[1] کچھ عرصہ تلاش کے بعد عبد المطلب کو چاہ زمزم اور دفینہ دونوں مل گئے بس پھر کیا تھا۔ قوم پر عبد المطلب کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ تمام قریش میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔[2]

عبد اللہ

خدا کی قدرت کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے عبد المطلب کو دس بچے دیئے جو بہت جلد جلد بڑھنے لگے۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ گئے تو ایفائے نذر کی خاطر عبد المطلب ان کو کعبہ میں لے گیا اور ہبل بت کے سامنے قرعہ اندازی کی۔ قرعہ عبد اللہ کے نام نکلا جو اسے سب سے زیادہ عزیز تھا۔ اب گو عبد المطلب کی حالت تو دگرگوں ہو گئی لیکن کیا کرتا نذر کو بہر حال پورا کرنا تھا۔ ناچار بچے کو ساتھ لیکر ذبح کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب رؤسائے قریش کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فوراً عبد المطلب کے پاس گئے اور اسے اس فعل سے روکا۔ عبد المطلب نے پہلے تو قربانی پر

---

[1] ابن سعد ذکر نذر عبد المطلب [2] ابن سعد و ابن ہشام

ہی اصرار کیا لیکن آخر ایک واقف کار کے مشورہ سے یہ طے پایا۔ کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے درمیان (جو اس وقت ایک آدمی کا خون بہا تھا) قرعہ اندازی کی جائے اور اگر اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اونٹ قربان کردیئے جائیں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ لیکن قرعہ پھر بھی عبداللہ ہی کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے دس اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالا۔ لیکن اب کی دفعہ بھی عبداللہ ہی کا نام تھا۔ عبدالمطلب اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتا گیا۔ حتیٰ کہ نوبت بایں جا رسید کہ جب سو اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا۔ تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اس پر مزید تسلی کے لئے دوبارہ قرعہ ڈالا گیا تو پھر بھی قرعہ اونٹوں ہی کے نام نکلا۔ جس پر عبدالمطلب کو بڑی خوشی ہوئی۔ فوراً سو اونٹ ذبح کردیئے اور عبداللہ کو لے کر خوشی خوشی گھر لوٹ آیا۔ چنانچہ اس وقت سے قریش میں ایک آدمی کا خون بہا سو اونٹ مقرر ہو گئے [1]

عبداللہ کی شادی

روایات کے اختلاف کی بنا پر ۱۷ یا ۲۵ سال کی عمر میں عبداللہ کی شادی قریش کے ایک معزز قبیلہ بنو زہرہ کی ایک شریف خاتون آمنہ بنت وہب سے ہوئی۔

---

[1] ۔ ابن سعد

عبداللہ کی وفات

شادی کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ عبدالمطلب نے عبداللہ کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے ملک کو روانہ کیا۔ واپسی پر بیمار ہو کر یثرب میں اپنے رشتہ داروں کے پاس ٹھہر گئے اور گو اپنی بیماری کا حال عبدالمطلب کو پہنچا دیا۔ لیکن ابھی ان کا بیٹا حارث آپ کو لینے کے لئے یثرب نہیں پہنچا تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس طرح سے آنحضرت ﷺ ابھی شکم مادر میں ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپؐ یتیم ہو گئے۔

عبداللہ کا ترکہ

عبداللہ نے اپنے اس بچہ کے لئے جس نے سردار دو جہان بننا تھا۔ جو ترکہ چھوڑا وہ بھی قابل ذکر ہے۔ یعنی پانچ اونٹ۔ چند بکریاں اور ایک لونڈی ام ایمن [1]

واقعہ اصحاب الفیل

آنحضرت ﷺ کی پیدائش میں ابھی باون یا ایک روایت کی رو سے پچپن روز باقی تھے کہ عرب میں ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ کہتے ہیں کہ ابرھۃ الاشرم نے جو ان دنوں حبشہ کی عیسائی حکومت کے ماتحت

[1] ابن سعد و زرقانی

والئی یمن تھا۔ کعبہ کی طرف اہل عرب کا رجوع دیکھ کر چاہا۔ کہ لوگ وہاں جانا چھوڑ دیں۔ اور خود یمن میں ایک معبد تیار کیا۔ جس کی طرف آنے کی لوگوں کو دعوت دی چنانچہ لکھا ہے کہ ایک من چلے عرب کو یہ بات بہت بری لگی اور اس نے موقع پا کر اس معبد میں پاخانہ پھر دیا جس سے ابرھۃ الاشرم سخت برافروختہ ہوا۔ اور ہزاروں کا ایک جرار لشکر لے کر کعبہ کے مسمار کرنے کے لئے مکہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ قریش کو جب اس کا علم ہوا۔ تو وہ سخت گھبرائے اور عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس بطور وفد روانہ کیا۔ عبدالمطلب کی شکل و شباہت اور وجاہت کا ابرہہ پر بہت اثر ہوا چنانچہ اس نے بڑی عزت کی اور بذریعہ ترجمان آنے کی وجہ دریافت کی عبدالمطلب جو غالباً پہلے ہی طرز گفتگو کو سوچ کر آئے تھے۔ بولے کہ آپ کے لشکر نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں وہ مہربانی کر کے مجھے واپس دلوا دیئے جائیں۔ ابرہہ نے اونٹ تو واپس دلوا دیئے لیکن عبدالمطلب کی وجاہت اور قابلیت کا جو اثر اس پر تھا وہ سب جاتا رہا۔ اور سخت متحیر ہو کر بولا کہ :-

"میں تمہارے کعبہ کو مسمار کرنے آیا ہوں اور تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر پڑی ہوئی ہے"۔

عبدالمطلب نے بالکل بے پروائی کے انداز میں جواب دیا کہ

"اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ وَلِلْبَیْتِ رَبٌّ یَمْنَعُہٗ"

یعنی "میں تو صرف ان اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے مجھے ان کی فکر ہے۔ مگر اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی فکر

کر لے گا"۔

ابرہہ اس جواب کو سن کر آگ بگولا ہو گیا اور فوراً بولا "اچھا پھر میں دیکھوں گا کہ اس گھر کا مالک مجھے اس گھر سے کس طرح روکتا ہے" چنانچہ وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر آگے بڑھا۔ مگر خدائی تصرف ایسا ہوا کہ اس کے لشکر میں چیچک کی خطرناک وبا پھوٹی۔ جس سے اس کا اکثر لشکر تباہ ہو گیا۔ قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر سورہ فیل میں ان الفاظ میں آتا ہے :-

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ کیا اس نے ان کی تجاویز کو خاک میں نہیں ملا دیا؟ اس نے ان پر پرندوں کے جھنڈ بھیجے جو ان پر سنگریزے مارتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بوسیدہ بھوسے کی طرح کر دیا[1]

چونکہ ابرہہ کی فوج میں ہاتھی بھی تھے اور یہ قریش کے لئے ایک نئی اور عجیب چیز تھی اس لئے انہوں نے لشکر کا نام اصحاب الفیل رکھ دیا اور سال کا نام عام الفیل رکھا۔ اصحاب الفیل کی تباہی سے کعبۃ اللہ کی عزت اور قریش کا رعب بہت بڑھ گیا اور عرب کے دوسرے قبائل انہیں پہلے سے بھی زیادہ عزت واحترام کی نظر سے دیکھنے لگے۔[2]

---

[1] سورۃ الفیل [2] ابن ہشام

غالباً اس واقعہ کے دکھانے سے اللہ تعالیٰ کو یہ مدنظر تھا کہ کعبہ ایک کونے کا پتھر ہے جو اس پر گرے گا وہ بھی تباہ و برباد ہو جائے گا اور جس پر یہ گرے گا وہ بھی چکنا چور ہو جائے گا۔

باب سوم

ظہور سید الانبیاء
ابتدائی چالیس سالہ زندگی کے چیدہ چیدہ
حالات

طلوع آفتاب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ ابھی ایام حمل میں سے ہی گذر رہی تھیں کہ انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا ہے اور کہتا ہے کہ جو بچہ تیرے پیٹ میں ہے اس کا نام محمد رکھنا۔ نیز یہ بھی دیکھا کہ ان کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلا ہے جو دور دراز ملکوں میں پھیل گیا ہے۔[1] جوں جوں وضع حمل کے دن قریب آتے

---

[1] سیرۃ بن ہشام وزرقانی

گئے۔ آمنہ اپنے مرحوم شوہر کی یاد کو تازہ رکھنے والے بچہ کی انتظار کرنے لگیں۔ آخر خدا خدا کر کے ۹۔ ربیع الاول مطابق ۲۰/ اپریل ۵۷۰ء[1] کو پیر کے دن جج کے وقت وہ مبارک ساعت آن پہنچی جس کے لئے دنیا ہزاروں برس سے چشم براہ تھی۔ یعنی سردار دو جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دنیا میں ظہور ہوا۔

جونہی پوتے کی پیدائش کی خبر عبد المطلب کے کانوں میں پڑی تو خوشی خوشی آمنہ کے پاس آئے اور بچے کو ہاتھوں میں لیکر کعبہ کا طواف کر کے خدا کا شکر بجالائے۔ اور آمنہ کی خواب کی بناء پر محمد نام رکھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ آپ کی ولادت کے زمانہ میں آسمان پر غیر معمولی کثرت کے ساتھ ستارے ٹوٹتے ہوئے نظر آتے تھے۔[2] نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی پشت پر بائیں جانب ایک گوشت کا اٹھا ہوا ٹکڑا تھا۔ جو عام طور پر مسلمانوں میں ختم نبوت یعنی مہر نبوت کے نام سے مشہور ہے۔[3]

رضاعت اور ایام طفولیت

شرفاء عرب کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے شریف خاندان کی دیہاتی دائیوں کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور

---

[1] محمود پاشا مصری [2] زرقانی جلد ۱ صفحہ ۱۲۲۔ و خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۲۷ و ۲۲۸ [3] زرقانی

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے چند روز تو ثویبہ[1] کے سپرد کئے گئے۔ لیکن پھر قبیلہ بنی سعد[2] کی ایک دایہ حلیمہ نام مستقل طور پر آپ کو اپنے گاؤں میں لے گئی۔ دو سال مدت رضاعت گذرنے کے بعد گو حلیمہ آپ کو واپس تو لے آئی لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کو ایک قسم کا انس پیدا ہو گیا تھا اور نیز ان دنوں مکہ کی آب وہوا بھی قدرے خراب تھی۔ اس لئے اس کے اصرار کرنے پر آمنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر اسی کے سپرد کر دیا لیکن جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو اتفاقاً ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حلیمہ نے خوفزدہ ہو کر بچے کو مکہ میں لا کر آپ کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ لکھا ہے کہ اچانک دو سفید پوش آدمی آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر لٹا کر آپ کا سینہ چاک کر دیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر آپ کا رضاعی بھائی عبداللہ بن حارث جو آپ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ فوراً اپنے والدین کے پاس گیا اور یہ سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کو دیکھ کر حلیمہ اور اس کا خاوند ابو کبشہ[3] گھبرا گئے اور آپ کو مکہ لا کر آپ کی والدہ آمنہ کے سپرد کر دیا۔

---

[1] ثویبہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی تھی۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ کو بھی اسی نے دودھ پلایا تھا۔ اس لئے حضرت حمزہ آنحضرت ﷺ کے چچا ہونے کے علاوہ رضاعی بھائی بھی تھے۔

[2] قبیلہ بنو سعد قبیلہ بنو ہوازن کی ایک شاخ تھا۔

[3] ابن ابی کبشہ آپ کی کنیت اسی وجہ سے مشہور ہو گئی تھی۔

اس موقعہ پر یاد رکھنا چاہئے کہ بعض لوگ کم واقفیت کی بناء پر اس واقعہ کو ظاہر پر محمول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک لطیف کشف تھا جس کا دائرہ دوسرے بچوں تک بھی وسیع ہو گیا۔ وَاِلاَّ یہ ضروری تھا کہ حلیمہ اور اس کے خاوند کو شق صدر کی ظاہری علامات بھی نظر آ جاتیں۔

حلیمہ کی اس چار سالہ خدمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر نہیں بھولے۔ چنانچہ ایک دفعہ قحط کے ایام میں جب حلیمہ آپ کے پاس آئیں تو آپ نے چالیس بکریاں اور ایک اونٹ عطا فرمایا۔ اسی طرح ایک دفعہ جب آپ خلعت نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ حلیمہ کو دور سے آتا دیکھ کر میری ماں میری ماں کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور فوراً اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔ جنگ حنین کے ایام میں بھی جب حلیمہ کے قبیلہ بنی ہوازن کے ہزارہا قیدی بغاوت اور خونریزی کے جرائم میں ماخوذ ہو کر آپ کے سامنے پیش کئے گئے تو آپ نے انہیں محض اسی رشتہ کی بناء پر آزاد کر دیا[1]

کفالت والدہ اور سفر یثرب

والدہ کی کفالت میں آپ کو ابھی دو سال ہی گذرے تھے کہ وہ آپ کو ساتھ لیکر اپنے عزیز و اقارب کو ملنے کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔ ممکن ہے اس سفر کی غرض اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت ہی ہو۔ مگر بہر حال ایک مہینہ کے قیام کے بعد جب آپ واپس آ رہی تھیں تو رستہ

---

[1] ابن سعد ذکر من ارضع رسول اللہ

میں ہی بیمار ہو کر انتقال کر گئیں اور ابوا کے مقام پر دفن کی گئیں۔ والد کے سایہ سے تو پہلے ہی آپ محروم ہو چکے تھے۔ اب کنار شفقت مادری سے بھی محروم ہو گئے۔

کفالت عبد المطلب

آپ کی خادمہ ام ایمن جو اس سفر میں آپ کے ساتھ تھی۔ آپ کو لے کر مکہ پہنچی اور آپ کو آپ کے دادا عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ عبد المطلب آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو آپ کو کندھے پر بٹھا لیتے۔ اور آپ کے سوا ان کے اپنے بچوں میں سے بھی کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ عبد المطلب جب صحن کعبہ میں فرش بچھا کر بیٹھے ہوں تو ان کے ساتھ جا کر بیٹھ جائے۔

وفات عبد المطلب

عبد المطلب کی کفالت میں ابھی آپ پر دو سال ہی بمشکل گذرے تھے کہ ان کو بھی پیغام اجل آ پہنچا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب عبد المطلب کا جنازہ اٹھایا گیا تو آپ ساتھ اس حالت میں جا رہے تھے کہ آپ کے آنسو لگاتار برس رہے تھے۔ یہ تیسرا صدمہ تھا جو آپ کو آٹھ سال کی عمر میں ہی برداشت کرنا پڑا۔

کفالت ابو طالب

اب عبد المطلب کی وصیت کے مطابق آپ کے چچا ابو طالب آپ کے کفیل مقرر ہوئے۔ ابو طالب کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ لکھا ہے کہ رات کے وقت بھی عموماً آپ کو اپنے ساتھ ہی سلایا کرتے تھے۔

سفر شام اور واقعہ بحیرٰی راہب

آپ قریباً بارہ سال کی عمر میں تھے کہ ابو طالب کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کا سفر پیش آگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ جوش محبت میں اپنے چچا سے لپٹ گئے اور ساتھ چلنے کے لئے التجا کی۔ ابو طالب نے بھی بھتیجے کی دل شکنی گوارا نہ کی اور وہ آپ کو اپنے ساتھ لے گئے۔

جب آپ کا قافلہ شام کے جنوبی حصہ میں بصریٰ کے مقام پر پہنچا تو وہاں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جس کا نام بحیرٰی تھا۔ اس نے عالم کشف میں ایسا نظارہ دیکھا جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ الٰہی نوشتوں میں جس نبی کی آمد کا ذکر ہے۔ وہ اسی قافلہ میں موجود ہے۔ چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا اور آپ کے چچا ابو طالب سے کہا کہ آپ ان کو اہل کتاب کے شر سے محفوظ رکھیں۔

آپ ؐ کا بکریاں چرانا

چونکہ اس زمانہ میں شرفاء عرب کی جائیداد عموماً اونٹوں بھیڑوں اور بکریوں پر مشتمل ہوتی تھی جن کے چرانے کا کام وہ عموماً اپنے بچوں کے سپرد کردیا کرتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب سفر شام سے واپس آئے تو آپ کے چچا بھی کبھی آپ کو بکریاں چرانے کے کام پر بھی لگادیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ زمانہ نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ بکریاں چرانا بھی انبیاء کی سنت ہے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء کا کام بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے گلہ بانی کا رنگ رکھتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی ابتدائی عمر میں ان سے چرواہے کا کام لیکر تصویری زبان میں یہ اشارہ کرتا ہے کہ اب تم انسانوں کی گلہ بانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

حرب فجار

جب آپ ؐ کی عمر پندرہ سال اور ایک روایت کی رو سے بیس سال کی ہوئی تو عکاظ کے میلہ میں کسی معمولی سی بات پر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ قریش کے جوشیلے طبقہ میں کچھ چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ پہلے تو طرفین کے سنجیدہ طبقہ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفع دفع کردیا۔ مگر آہستہ آہستہ تعلقات زیادہ کشیدہ ہو گئے اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ یہ لڑائی تاریخ میں حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے معنی ہیں ناجائز جنگ کیونکہ اس کی ابتدا حرمت کے مہینوں میں ہوئی تھی جن میں لڑائی ممنوع

تھی-اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے جاتے تھے۔

حلف الفضول

عام طور پر اہل عرب معمولی معمولی بات پر لڑ مرتے تھے اور حرب فجار بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ اس لئے اس جنگ کے بعد زبیر بن عبد المطلب اور بعض اور نیک دل اشخاص کے قلوب میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ مختلف قبائل کو باہم مل کر یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا حق دلا کر اس کی امداد کریں گے۔ وجہ تسمیہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ چونکہ اس تحریک کے محرکین میں سے مشہور اشخاص کے ناموں میں فضل کا لفظ آتا تھا۔ اس لئے یہ عہد حلف الفضول کے نام سے مشہور ہو گیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ چونکہ عربی زبان میں حق کو فضل بھی کہتے ہیں۔ جس کی جمع فضول ہے۔ اس لئے اس معاہدہ کا نام حلف الفضول رکھا گیا۔ اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک معاہدہ تھے چنانچہ ایک دفعہ آپ نے زمانہ نبوت میں فرمایا۔ کہ میں عبد اللہ ابن جدعان کے مکان پر ایک ایسی قسم میں شامل ہوا تھا کہ اگر آج اسلام کے زمانہ میں بھی مجھے کوئی اس کی طرف بلائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔

مشاغل تجارت

اب آپ جوان تھے اور کاروباری زندگی میں مصروف ہونے کے قابل۔ اس لئے آپ نے اپنے چچا ابو طالب کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے باقاعدہ تجارت شروع کی اور اس سلسلہ میں شام، یمن، بحرین غرضیکہ عرب کے تمام اطراف میں آپ تشریف لے گئے۔[1] ان تمام سفروں میں بھی اور مکہ میں بھی جن لوگوں کے ساتھ آپ کا واسطہ پڑا۔ سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ چنانچہ سائب جب ایمان لائے تو بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی تعریف کی۔ فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"۔ سائب نے عرض کیا۔ "ہاں یا رسول اللہ۔ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ایک دفعہ تجارت میں میرے شریک تھے آپ نے ہمیشہ نہایت صاف معاملہ رکھا"[2] عبداللہ بن ابی الحمسایان کرتے ہیں کہ "ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے کوئی کاروباری معاملہ کیا اور آپ کا کچھ حساب میرے ذمہ باقی رہ گیا۔ جس پر میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہرے رہیں میں ابھی آتا ہوں۔ اتفاقاً میں بھول گیا۔ تین دن کے بعد یاد آیا۔ میں فوراً اس طرف گیا۔ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ

---

[1] نور النبراس اور مسند احمد بن حنبل بحوالہ سیرت خاتم النبیین

[2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۷

موجود تھے آپ نے مجھے دیکھ کر صرف اتنا فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف دی ہے میں تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" اس سے غالباً مراد یہ ہوگی کہ آپ مناسب اوقات میں کئی کئی بار اس جگہ جا کر دیر دیر تک عبداللہ کا انتظار فرماتے رہے ہوں گے تاکہ عبداللہ کو آپ کی تلاش میں کسی قسم کی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ غرض کاروباری زندگی میں قدم رکھنے کے بعد آپ کی دیانت' امانت' راست گفتاری اور حق گوئی اس طرح زبان زد خلائق ہو چکی تھی کہ آپ کا نام امین مشہور ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی

حضرت خدیجہ جو مکہ کی ایک شریف اور مالدار خاتون تھیں اور جن کا شرافت کی وجہ سے طاہرہ لقب پڑ گیا تھا۔ بیوہ ہو گئیں متعدد رؤسا نے انہیں نکاح کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے سب کا انکار کر دیا۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت اور دیگر اخلاق فاضلہ کا شہرہ سنا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اپنے مال کو تجارت میں لگا کر خود بھی مشاہدہ کر لیا۔ تو خود آپؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس کو قبول فرما لیا۔ اور عین پچیس سال کی عمر میں جبکہ حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی یہ مبارک شادی ہو گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

سوائے ابراہیم کے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ قاسم [1] طاہر اور طیب آپ کے تین صاحبزادے تھے بعض روایات میں ایک چوتھے صاحبزادہ عبداللہ کا بھی ذکر آتا ہے۔ لیکن عام خیال یہی ہے کہ عبداللہ طیب ہی کا دوسرا نام تھا۔ لڑکیاں حضور کی چار تھیں۔ یعنی زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور فاطمہ۔ تمام لڑکے بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ ہاں لڑکیاں سب جوان ہوئیں اور ایمان لائیں لیکن سوائے فاطمۃ الزہرا کے جن کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی تھی اور کسی لڑکی کی نسل نہیں چلی۔

کعبہ کی جدید تعمیر

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان ایام میں کعبہ کی عمارت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔ اب متولی تو قریش ہی تھے۔ لہٰذا انہی کا کام تھا کہ وہ عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کرتے مگر گرانے کا کام شروع کرنے سے سب ڈرتے تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے اس کام کو شروع کیا۔ مگر بعد میں سارے شامل ہو گئے۔ جب گراتے گراتے حضرت ابراہیم کی بنیادوں پر پہنچے تو رک گئے۔

---

[1] ابو القاسم آپ کی کنیت اسی وجہ سے ہوئی۔

اور ان کے اوپر جدید تعمیر شروع کی۔ اب حجراسود کے اپنی جگہ پر رکھنے کا سوال تھا۔ ہر قبیلہ اپنے لئے اس عزت کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس پر جھگڑا ہوا اور لگاتار کئی دن تک تعمیر کا کام بند رہا۔ آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص حرم میں سب سے پہلے آتا دکھائی دے اس کو اس معاملہ میں حکم بنالیا جائے اللہ کی قدرت سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کو دیکھنا تھا کہ سب امین امین پکار اٹھے آپ نے خدا کے فضل سے ایسا عجیب فیصلہ کیا کہ تمام ششدر رہ گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا کر اس پر حجراسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا اور تمام قبائل کے روٴسا کو کہا کہ اس چادر کے کونے پکڑلو اور اٹھا کر حجراسود کی جگہ پر لے چلو۔ چنانچہ جب قریش وہاں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اسے چادر پر سے اٹھا کر اس کی اصلی جگہ پر رکھ دیا [1] اور اس طرح سے اس خطرناک جھگڑے کا جس کی وجہ سے قریب تھا کہ تمام قریش آپس میں کٹ کر مرجاتے۔ نہایت عقلمندی سے فیصلہ فرمادیا۔

مورخین لکھتے ہیں کہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب آپ کی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اس تعمیر کعبہ کے متعلق بخاری میں ایک روایت آتی ہے کہ جب آپؐ پتھر اٹھا اٹھا کر جمع کر رہے تھے تو آپؐ کے چچا عباس نے کہا۔ اپنا تہ بند اپنے کندھے پر رکھ لو۔ تا پتھروں کی رگڑ وغیرہ نہ لگے آپؐ نے چچا کے حکم کی تعمیل تو کی۔ مگر جسم کے ستر والا کچھ حصہ ننگا ہو جانے کی

---

[1] ابن ہشام و طبری وغیرہ

وجہ سے شرم کے مارے آپ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور آپ بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حجر اسود کے رکھنے سے بہت پہلے کا ہے بعض مورخین کی یہ تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صغرسنی کا ہے۔ کیونکہ عموماً عمارات کے کام میں سامان کے مکمل نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ ہاں حجر اسود کے متعلق حکم بن کر فیصلہ کرنے کا واقعہ بے شک بعد کا ہے کیونکہ آپ کا امین ہونا تو معاملات میں پڑنے کے بعد ہی لوگوں پر واضح ہو سکتا تھا۔

زید بن حارثہ کا آپ کی خدمت میں آنا

حضرت خدیجہ کا ایک بھتیجا حکیم بن حزام تھا جو کہیں تجارت کے سلسلہ میں باہر گیا تو ایک غلام خرید لایا۔ جسے آکر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کی نذر کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے اسے ہوشیار دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ زید بن حارثہ تھے جن کی وفاداری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور زید کو بھی حضور سے اس قدر محبت تھی کہ جب ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کعب ان کو لینے کے لئے مکہ آئے۔ تو انہوں نے ان کے ساتھ جانے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کو ترجیح دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب زید کی یہ حالت دیکھی تو

فوراً کعبہ میں لے جاکر لوگوں کے سامنے اس کی آزادی کا بلند آواز سے اعلان فرمادیا اور چونکہ ابھی متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنانے کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضور نے زید کو اپنا متبنیٰ بھی بنالیا اور اب اس زمانہ کے دستور کے مطابق زید بن حارثہ زید بن محمد کہلانے لگ گیا۔ لیکن گو ممانعت الٰہی کے بعد زید بن محمد کی بجائے نام زید بن حارثہ ہی اختیار کیا گیا مگر محبت میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک اس کے ساتھ دن بدن ترقی کرتا گیا۔

حضرت علی بن ابی طالب کا آنحضرتؐ کے گھر آنا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد اس خاندان کی حالت کمزور ہو گئی تھی اور ابو طالب کا گزارا مشکل سے چلتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس تکلیف کو دیکھ کر اپنے دوسرے چچا عباس سے یہ مشورہ کیا کہ کیا اچھا ہو اگر ان کے ایک بیٹے کو آپ اپنے گھر لے جائیں اور ایک کو میں لے آؤں۔ عباس کو یہ تجویز پسند آئی۔ دونوں ابو طالب کے پاس گئے۔ انہوں نے عقیل کو جس سے بہت محبت تھی اپنے پاس رکھ لیا اور دوسروں کے متعلق کہا۔ کہ اگر چاہو تو لے جاؤ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں علی آئے اور جعفر کو عباس لے گئے۔

آپ کا حلیہ مبارک

اب آپ بالکل جوان تھے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ آپ کا حلیہ مبارک بیان کر دیا جائے۔

درمیانہ قد، جسم ہر طرح موزوں، رنگ گورا، مگر سرخی مائل، سر کے بال کسی قدر خمدار، سر بڑا، سینہ فراخ، ہاتھ پاؤں بھرے بھرے، ہتھیلیاں چوڑی، چہرہ گول، پیشانی اور ناک اونچی، آنکھیں سیاہ اور روشن اور پلکیں دراز تھیں۔ چلنے میں وقار تھا۔ اور بات آہستہ فرماتے تھے۔ خوشی اور غمی دونوں حالتوں کی علامات آپ کے چہرہ سے برابر ظاہر ہوتی تھیں۔

بعثت سے قبل رؤیائے صالحہ

اب حضور کی بعثت کا زمانہ قریب آ رہا تھا۔ اور گو حضور بچپن سے ہی عامۃ الناس کی مجالس میں شرکت نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ قوم کی حالت دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا رہتا تھا۔ اور خدا تعالیٰ سے ان کی اصلاح کے لئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ لیکن ان ایام میں تو آپ کا یہ حال تھا کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سوا اور کوئی کام نہیں تھا لکھا ہے کہ آپ کئی کئی دن کا کھانا لیکر مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر غار حرا میں عبادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے چنانچہ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ آپ

کو کثرت سے رؤیائے صالحہ ہونی شروع ہوئیں۔ اور یہ وحی کی ابتدا تھی۔

باب چہارم

ابتدائے وحی۔ آغاز تبلیغ۔ ہجرت حبشہ تک کے حالات

وحی کی ابتداء[1]

اب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کو پہنچ چکی تھی اور آپؐ حسب معمول غار حرا میں خدا کی یاد میں مصروف تھے۔ کہ ناگاہ رمضان کے مبارک مہینہ میں پیر کے دن آپ کے سامنے ایک فرشتہ نمودار ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر بولا "اقرا" پڑھ یعنی منہ سے بول یا لوگوں تک پیغام الٰہی پہنچا۔ آپ نے فرمایا "ما انا بقاری" میں تو نہیں پڑھ سکتا۔ یعنی میری طاقت سے تو یہ کام باہر ہے فرشتہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ جواب سن کر آپ کو سینے سے لگا کر

---

[1] نزول وحی کی کیفیت اور جمع قرآن وغیرہ مسائل کے متعلق ایک نہایت ہی مفید نوٹ کیلئے ملاحظہ فرمائیں سیرت خاتم النبیین حصہ اول صفحہ ۳۲۲

زور سے بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا "اقرا" [1] مگر آپ کی طرف سے پھر وہی جواب تھا کہ " ما انا بقارئ " تیسری مرتبہ زور سے بھینچنے کے بعد جب فرشتہ الٰہی کو یہ تسلی ہو گئی کہ اب آپ کی طبیعت اس پیغام الٰہی کو پہنچانے کے لئے تیار ہو چکی ہے تو بولا :-

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○ [2]

پڑھ یعنی منہ سے بول یا پہنچا لوگوں تک اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو ایک خون کے لوتھڑے سے۔ ہاں پڑھ تیرا رب بہت عزت اور شان والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ سکھایا اس نے انسان کو وہ کچھ جو وہ جانتا نہ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ الفاظ سننا تھا کہ آپ پر گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری ہو گیا۔ آپ غار حرا سے نکل کھڑے ہوئے اور جلد جلد گھر لوٹے اور خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ۔ مجھ پر کپڑا ڈالو۔ مجھ پر کپڑا ڈالو۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت خدیجہ بھی گھبرا گئیں اور فوراً کپڑا اوڑھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپ کی گھبراہٹ قدرے کم ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہ سے سارا ماجرا بیان فرمایا حضرت خدیجہ جنہیں آپ کی صداقت پر پورا یقین تھا۔ بولیں :-

---

[1] قرا کے معنے پیغام پہنچانے کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہتے ہیں اقراہ منی السلام یعنی اسے میرا سلام پہنچا دو (اقرب الموارد) [2] علق: ۲ تا ۶

كَلَّا اَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِی الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

"نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپ خوش ہوں خدا کی قسم اللہ آپ کو (اس کام میں جو آپ کے سپرد کیا گیا ہے) کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور لوگوں کے بوجھ بٹاتے ہیں اور آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو اور لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔ پھر آپ مہمان نواز ہیں اور راستی کی راہ میں جو روکیں پیش آئیں۔ آپ ان کا ازالہ کرکے اس راستی کی اعانت کرتے ہیں"۔

اس تسلی اور تشفی کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کا چچازاد بھائی تھا۔ لیکن شرک سے بیزار ہو کر عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ اور چونکہ وہ گذشتہ انبیاء کی کتب سے کسی قدر واقف تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر فوراً بول اٹھا کہ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰى مُوْسٰى [1] یعنی یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر وحی لاتا تھا۔ اے کاش مجھ میں طاقت ہوتی اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تیری قوم تجھے وطن سے نکال دے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ورقہ بن نوفل

---

[1] بخاری جلد اول صفحہ ۳ مطبوعہ مصر

کے یہ الفاظ سنے تو حیران ہو کر پوچھا۔ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔
ورقہ نے کہا" ہاں کوئی رسول نہیں آیا۔ کہ اس کے ساتھ اس کی قوم نے
عداوت نہ کی ہو۔ اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا۔ تو میں اپنی پوری
طاقت کے ساتھ تیری مدد کروں گا"۔

اس ملاقات کے بعد ورقہ بن نوفل تو جلد فوت ہو گئے اور انہیں وہ
دن دیکھنے نصیب نہ ہوئے جن کی انہیں انتظار تھی۔

مگر آپ بدستور غار حرا میں تشریف لے جاتے رہے اور برابر یاد الٰہی
میں لگے رہے۔ اس اثناء میں کچھ عرصہ تک تو آپ پر کوئی وحی نازل نہ
ہوئی اور آپ کے یہ دن بڑی گھبراہٹ اور بے چینی میں گذرے چنانچہ
یہی وہ زمانہ ہے جو فترۃ الوحی کے نام سے مشہور ہے لیکن پھر ایک دن
آپ غار حرا سے واپس گھر کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ راستہ میں پھر
اسی فرشتہ نے آسمان کی طرف سے آپ کو آواز دی آپ اسے دیکھ کر
سہم گئے اور گھبرائے ہوئے فوراً گھر آئے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا
دثرونی دثرونی مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو۔ حضرت خدیجہ نے
جلدی سے کپڑا اوڑھا دیا۔ آپ کا لیٹنا تھا کہ ایک پر جلال آواز آپ کے
کانوں میں آئی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُہ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ
فَكَبِّرْ ۝ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

یعنی اے چادر میں لپٹے ہوئے شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اور لوگوں کو خدا
کے نام پر بیدار کر۔ اٹھ اور اپنے رب کی بڑائی کے گیت گا اور اپنے نفس
کو پاک وصاف کر اور ہر قسم کے شرک سے پرہیز کر"۔

آغاز تبلیغ

اب آپ کی طبیعت میں بالکل اطمینان تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی برابر نازل ہو رہی تھی آپ نے خفیہ خفیہ اپنے ملنے والوں میں توحید الٰہی کی تبلیغ اور شرک کی تردید شروع کر دی۔

پہلا مسلمان

حضرت خدیجہ کے متعلق تو پہلے گذر چکا ہے۔ کہ پہلی وحی پر ہی آپ فوراً ایمان لے آئیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی تردد نہیں کیا۔ لیکن آپ کے بعد ایمان لانے والوں کے متعلق اختلاف ہے۔ مختلف مورخین کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ حضرت علیؓ حضرت زید بن حارثہ کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ جھگڑا فضول ہے حضرت علی اور حضرت زید تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے آدمی تھے اور رہنوز بچے تھے ان کے قول اقرار کی تو غالباً ضرورت ہی نہ تھی۔ باقی رہ گئے حضرت ابو بکرؓ سو ان کے متعلق تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ سابق بالایمان تھے۔ آپ کے ایمان لانے کا قصہ بھی عجیب ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا۔ تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ آپ نعوذ باللہ پاگل ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو بکر اس وقت مکہ سے باہر تھے واپسی پر کسی دوست کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس شخص کی لونڈی نے آکر کہا۔ آپ نے سنا؟ کیسا اندھیر ہو گیا۔ تیرا دوست پاگل ہو گیا ہے وہ کہتا

ہے کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور میرے ساتھ آکر کلام کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر یہ سن کر چپ چاپ اٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی راہ لی۔ دروازہ پر آکر دستک دی۔ آنحضرتؐ باہر تشریف لائے اور چاہا کہ آپ کو اپنے دعویٰ سے خبردار کریں کہ انہوں نے کہا میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ نے جواب دینے سے قبل دلیل سے سمجھانا چاہا۔ ابوبکرؓ بولے میں دلیل نہیں سننا چاہتا۔ مجھے صرف یہ جواب دیجئے کہ کیا آپ کا ایسا دعویٰ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سمجھانا چاہا مگر حضرت ابوبکر کی طرف سے پھر وہی جواب تھا۔ آخر تیسری بار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہاں ابوبکر میرا یہ دعویٰ ہے واقعی میں نے ایسا کہا ہے تو حضرت ابوبکر فوراً ایمان لے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں دلائل سن کر ایمان نہیں لانا چاہتا تھا۔ میں نے آپ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے اب میرے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی۔ اس میں کچھ کجی پائی۔ لیکن ابوبکر نے فوراً ہی میری بات کو قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر کا سب سے پہلے بغیر کسی دلیل کے ایمان لانا آپ کی صداقت اور راستبازی کا ایک بین ثبوت ہے۔ چنانچہ یورپ کا مشہور مستشرق سپرنگر لکھتا ہے۔

"ابوبکر کا آغاز اسلام میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم) خواہ دھوکا کھانے والے ہوں مگر دھوکا دینے والے ہرگز نہیں تھے۔ بلکہ صدق دل سے اپنے آپ کو خدا کا رسول یقین کرتے تھے"۔

اور سر ولیم میور کو بھی سپر نگر کی اس رائے سے کلی اتفاق ہے [1]

سابقین

حضرت ابو بکر قریش میں بہت معزز اور بارسوخ آدمی تھے۔ اور آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفان۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف۔ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ حضرت زبیر بن العوام۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ وغیرہ ایمان لائے۔ پھر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح۔ حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد۔ حضرت عثمان بن مظعون۔ حضرت سعید بن زید۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ غرضیکہ یہ وہ چند لوگ تھے جو ابتدائی تین چار سال میں ایمان لائے۔ عورتوں میں سے حضرت خدیجہ کے بعد اسماء بنت ابی بکر اور فاطمہ بنت خطاب زوجہ سعید بن زید کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔ مگر یہ سارے کے سارے لوگ ایسے تھے جو سوائے حضرت ابو بکرؓ کے غربت اور افلاس کی وجہ سے کوئی خاص پوزیشن نہ رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ قریش میں یہ عام خیال تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوٹے اور کمزور لوگوں نے مانا ہے۔ چنانچہ کئی سال بعد جب ہرقل شہنشاہ روم

---

[1] لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ میور صفحہ ۵۶

نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بڑے لوگ مانتے ہیں یا کہ کمزور اور چھوٹے لوگ تو ابوسفیان نے یہی جواب دیا۔ کہ کمزور اور چھوٹے لوگ مانتے ہیں۔ جس پر ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کو (شروع شروع میں) چھوٹے لوگ ہی مانا کرتے ہیں [1]

کھلی تبلیغ کا آغاز

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ تبلیغ کرتے تین سال گذر چکے تھے اور چوتھے سال کی ابتداء تھی کہ حکم الٰہی نازل ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ یعنی اے رسول جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ کھول کھول کر لوگوں کو سنا دے [2] اور اس کے قریب ہی یہ آیت اتری۔ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہوشیار اور بیدار کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ احکام سن کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور ہر ایک قبیلہ کا نام لیکر قریش کو اپنے گرد جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا "اے قریش اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑا جرار لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے کو تیار ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر سب نے بالاتفاق کہا "ہاں ہم ضرور مانیں گے۔ کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے"۔ آپ نے فرمایا "تو پھر سنو! میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ اللہ کے عذاب کا لشکر

---

[1] بخاری باب بدء الوحی [2] قرآن کریم سورہ حجر

تمہارے قریب پہنچ چکا ہے۔ خدا پر ایمان لاؤ۔ تاتم اس عذاب سے بچ جاؤ"۔ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر ہنسی مذاق میں ٹال دیا۔ اور آپ کے چچا ابولہب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تَبًّا لَكَ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا [1] محمد تو ہلاک ہو۔ کیا اس غرض سے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟

بنو عبد المطلب کو دعوت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ یوں تو لوگ بات نہیں سنتے۔ حضرت علیؓ کے ذریعہ ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں قبیلہ بنو عبد المطلب کے کم و بیش چالیس نفوس شامل ہوئے۔ کھانا کھانے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تقریر کرنی چاہی تو بدنصیب ابولہب نے شور مچا دیا۔ جس پر تمام قبیلہ منتشر ہو گیا۔ ناچار ایک اور دعوت کا انتظام کیا گیا۔ جب سب لوگ جمع ہو چکے تو آپ نے انہیں مخاطب کر کے یوں فرمایا کہ اے بنو عبد المطلب دیکھو میں تمہاری طرف وہ بات لیکر آیا ہوں۔ کہ اس سے بڑھ کر اچھی بات کوئی اپنے قبیلہ کی طرف نہیں لایا۔ میں تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم میری بات مانو تو تم دنیا کی بہترین نعمتوں کے وارث بنو گے۔ اب بتاؤ اس کام میں میرا کون مددگار ہو گا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سن کر مجمع پر چاروں طرف

---

[1] طبری و خمیس

خاموشی کا عالم طاری تھا کہ یکلخت ایک طرف سے ایک تیرہ سالہ کمزور اور دبلا پتلا بچہ جس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ یوں گویا ہوا۔ "گو میں کمزور ہوں اور سب میں چھوٹا ہوں مگر میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔ یہ حضرت علیؓ تھے۔ علی کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "اگر تم جانو تو اس بچے کی بات سنو اور اسے مانو" دیگر حاضرین نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر ہنسی ہی پر اکتفا کیا۔ لیکن بدنصیب ابو لہب جس کی فطرت میں شرارت کا بیج بویا ہوا تھا۔ اپنے بڑے بھائی ابو طالب کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ "لو اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی پیروی کرو"[1]

پہلا تبلیغی مرکز

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی مخالفت بھی زور پکڑتی جاتی تھی اس زمانہ میں مظلوم مسلمانوں کے جمع ہونے کے لئے بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ جہاں وہ اکٹھے ہو کر داستان مصائب کو ایک دوسرے کے سامنے بیان کرتے ان کی ان مشکلات کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایک تبلیغی مرکز قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اس غرض کے لئے آپ ؐ نے ایک نہایت ہی خوش قسمت نو مسلم ارقم بن ابی ارقم کا مکان پسند فرمایا جہاں تین سال تک دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت

---

[1] طبری

کا کام ہوتا رہا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ چوتھے سال کے ابتداء سے لیکر چھٹے سال کے آخر تک دار ارقم مسلمانوں کا تبلیغی مرکز بنا رہا۔ اور حضرت عمرؓ سب سے آخری شخص تھے جو اس مکان میں ایمان لائے۔

آنحضرتؐ کی مخالفت کے اسباب

یہ سوال کہ قریش نے آنحضرت ﷺ کی کیوں مخالفت کی؟ کیا آپؐ کی تعلیم ان کی عزت و ناموس کے برباد کرنے کا موجب تھی؟ کیا آپؐ کے بیان فرمودہ مذہبی اصول انہیں گمراہی کی طرف لے جانے والے تھے؟ یا کیا آپؐ کا طریق عبادت انہیں خدا تعالیٰ کی عبودیت سے دور لے جانے والا تھا؟ اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ آخر آپ کی اس قدر شدید مخالفت کی بناء کیا تھی؟

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت ہی ایسے وقت میں ہوتی ہے جب دنیا خدا تعالیٰ سے منہ موڑ چکی ہوتی ہے۔ تاریکی اپنے پورے زور کے ساتھ چھا جاتی ہے اور نور کی شعاعیں دھیمی پڑ جاتی ہیں۔ علم دین سے بالکل کورے اور اجڈ لوگ رہنمایان[1] دین بن جاتے ہیں اور شرفا کی پگڑیاں اچھالنا انکا شیوہ ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا ہادی یا پیامبر انکے پاس ہدایت کا پیغام لیکر آتا ہے تو یہ فرقہ ضالہ سمجھتا ہے کہ اگر لوگ اس پر ایمان لے آئے تو ہماری عزت اور وقار تو گیا لہٰذا وہ اس کا جانی دشمن بن جاتا ہے۔ اس کی عمدہ اور لطیف باتوں کو گمراہ کن اور

[1] سورہ انعام رکوع ۱۵

خلاف دین قرار دیتا ہے اس کے نشانات کو جھٹلاتا اور ان کی تکذیب کرتا ہے اور اپنی حد سے بڑھی ہوئی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے یہاں تک کہہ اٹھتا ہے کہ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ [۱] اے کاش اس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی بھی تو سچا الہام نازل ہو جاتا جہلاء اور عوام الناس کا طبقہ تو ہوتا ہی علماء کے تابع ہے وہ انہیں خوب بھڑکاتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ تمہیں تمہارے آباء واجداد کے دین سے پھرانا چاہتا ہے [۲] کبھی کہتے ہیں یہ تمہارے قابل تعظیم معبودوں کو ہتک آمیز الفاظ سے یاد کرتا ہے [۳] اور کبھی یہ کہہ کران کی آتش غضب کو بھڑکاتے ہیں کہ اگر یہ سچا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے باپ دادا گمراہی پر تھے [۴] غرض کہ یہ مخالفت اور تکذیب کا دور ہر زمانہ میں اپنی پرانی یاد تازہ کرتا رہتا ہے اور ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ یعنی كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ ۔کہ خدا تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ "میں اور میرے رسول ہی ہمیشہ غالب رہیں گے" تاریکی کے بادل پھٹ جاتے ہیں۔ اور نور کی شعاعیں چھا جاتی ہیں وہ دل جو کسی زمانہ میں آتش غضب میں بھڑکتے تھے بعد میں محبت کی وجہ سے باغ باغ نظر آتے ہیں۔ وہ آنکھیں جو پہلے دشمنی کی وجہ سے دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ پھر دفور محبت اور جلال کی وجہ سے مرعوب نظر آتی ہیں غرض ایک عجیب سماں ہوتا ہے۔ نئی زمین ہوتی ہے اور نیا آسمان۔ نیا خدا ہوتا

---

[۱] قرآن شریف سورہ انعام رکوع ۴ [۲] سورہ بقرہ
[۳] سورہ انبیاء رکوع ۷ [۴] سورہ بقرہ رکوع ۲۰

ہے اور نئی مخلوق۔ اور زمانہ کا نقشہ بالکل شبلی کے مندرجہ ذیل اشعار کے مطابق ہوتا ہے

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں چلنے لگیں اور ہی ہوائیں
چھیڑے جو گئے نئے فسانے نغمہ وہ رہا۔ نہ وہ ترانے
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں
سیارے ہیں اب نئی چمک کے وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے

اب صورت ملک و دیں نئی ہے
افلاک نئے۔ زمیں نئی ہے [1]

ائمۃ الکفر

آپ کے مخالفین کی صف میں ابو جہل کا نام ہمیشہ پیش پیش لیا جائے گا۔ اس دشمن رسول کا اصل نام عمرو بن ہشام تھا یہ قریش کا سردار تھا اور اپنی حکمت اور دانائی کی وجہ سے ابو الحکم یعنی "دانائی کا باپ" کے نام سے مشہور تھا۔ لیکن جب آفتاب رسالت چڑھا۔ تو اس نے سمجھا کہ اب میری سرداری جاتی ہے مخالفت۔ تکذیب اور ایذا رسانی پر کمربستہ ہو گیا اور آخر جنگ بدر میں دو انصاری لڑکوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ دوسرے نمبر پر ابولہب بن عبد المطلب تھا۔ یہ بھی دشمنی اور عداوت میں ابو جہل سے کم نہیں تھا۔ قرآن کریم کے آخری پارہ میں تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ کے الفاظ میں اسی کا ذکر ہے پھر عقبہ بن ابی معیط۔

[1] مثنوی صبح امید صفحہ ۵

امیہ بن خلف۔ ابی بن خلف۔ نظر بن الحارث وغیرہ وغیرہ بھی اسی صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔

ابو طالب کے پاس پہلا وفد

یہ وہ لوگ تھے جو ہر وقت اسلام کو مٹانے کے درپے رہتے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو مٹتے نظر نہیں آتے بلکہ روز افزوں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے تو انہوں نے رؤسائے قریش کا ایک وفد تیار کیا۔ جس کے ممبر ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل بن ہشام اور ابو سفیان وغیرہ تھے۔ یہ لوگ ابو طالب کے پاس گئے اور نہایت نرمی سے کہا "آپ ہماری قوم میں معزز ہیں۔ اس لئے ہم آپ سے درخواست کرنے آئے ہیں کہ آپ اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی اشاعت سے روک دیں یا پھر اس کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں اور ہمیں اور اس کو چھوڑ دیں کہ ہم آپس میں فیصلہ کرلیں" ابو طالب نے بھی آگے سے نہایت نرمی کا برتاؤ کیا اور اس طرح یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

دوسرا وفد

جب یہ آیتیں اتریں کہ مشرکین رجس ہیں۔ پلید ہیں۔ شر البریہ ہیں۔ سفہاء ہیں۔ اور ذریت شیطان ہیں اور ان کے معبود وقود النار اور حصب جہنم ہیں۔ تو سرداران قریش ایک دفعہ پھر ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ "اب معاملہ حد کو پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اب ہم صبر نہیں

کر سکتے اور اگر تم اس کی حمایت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تو پھر ہم مجبور ہیں کہ سب مل کر تیرے ساتھ مقابلہ کریں یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے" قریش کا یہ عزم دیکھ کر ابو طالب سخت گھبرا گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر کہا۔ کہ اے میرے بھتیجے! اب تیری دشنام دہی سے قوم سخت مشتعل ہو گئی ہے اور قریب ہے کہ تجھ کو ہلاک کریں۔ اور ساتھ ہی مجھ کو بھی۔ تو نے ان کے عقلمندوں کو سفیہ قرار دیا۔ اور ان کو اور ان کے بزرگوں کو شر البریہ کہا اور ان کے قابل تعظیم معبودوں کا نام ہیزم جہنم اور وقود النار رکھا اور عام طور پر ان سب کو رجس اور ذریت شیطان اور پلید ٹھہرایا۔ میں تجھے خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اپنی زبان کو تھام اور دشنام دہی سے باز آ جا ورنہ میں قوم کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں کہا۔ اے چچا! یہ دشنام دہی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ اور نفس الامر کا عین محل پر بیان ہے اور یہی تو کام ہے جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس سے مجھے مرنا درپیش ہے تو میں بخوشی اپنے لئے اس موت کو قبول کرتا ہوں۔ میری زندگی اسی راہ میں وقف ہے۔ موت کے ڈر سے اظہار حق سے رک نہیں سکتا۔ اور اے چچا! اگر تجھے اپنی کمزوری اور تکلیف کا خیال ہے تو تو مجھے پناہ میں رکھنے سے دستبردار ہو جا۔ بخدا مجھے تیری کچھ بھی حاجت نہیں۔ میں احکام الٰہی کے پہنچانے سے کبھی نہیں رکونگا۔ اور خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں

تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہیں رہوں گا اور اپنے کام میں لگا رہوں گا۔ یہاں تک کہ خدا اسے پورا کرے اور یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے۔ اور آپ کے چہرہ پر سچائی اور نورانیت سے بھری ہوئی رقت نمایاں ہو رہی تھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر ختم کر چکے تو حق کی روشنی دیکھ کر ابو طالب کے آنسو جاری ہو گئے اور کہا کہ میں تیری اس اعلیٰ حالت سے بے خبر تھا۔ تو اور ہی رنگ میں اور اور ہی شان میں ہے جا اپنے کام میں لگا رہ۔ جب تک میں زندہ ہوں جہاں تک میری طاقت ہے میں تیرا ساتھ دونگا۔[1]

تیسرا وفد

جب اس دفعہ بھی قریش اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو انہوں نے سوچا۔ کہ ممکن ہے ابو طالب کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے کوئی اور ہونہار نوجوان دے دیا جائے تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کر دے۔ اس لئے وہ عمارہ بن ولید کو ابو طالب کے پاس لے گئے اور کہنے لگے کہ ہم عمارہ بن ولید کو اپنے ساتھ لائے ہیں اور تم جانتے ہو کہ یہ قریش کے بہترین نوجوانوں میں سے ہے۔ پس تم ایسا کرو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عوض میں اس لڑکے کو لے لو اور اس سے جس طرح چاہو فائدہ اٹھاؤ اور چاہو تو اسے اپنا بیٹا بنا لو۔ ہم اس کے حقوق

---

[1] ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۱۰

سے کلیتہ "دست بردار ہوتے ہیں اور اس کے عوض میں تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کردو۔ جس نے ہمارے آبائی دین میں رخنہ پیدا کرکے ہماری قوم میں ایک فتنہ کھڑا کر رکھا ہے۔ اس طرح جان کے بدلے جان کا قانون پورا ہو جائے گا اور تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی"۔

ابوطالب نے کہا "یہ عجیب انصاف ہے کہ میں تمہارے لڑکے کو لیکر اپنا بیٹا بناؤں اور اسے کھلاؤں اور پلاؤں اور اپنا بیٹا تمہیں دے دوں تاکہ تم اسے قتل کردو۔ واللہ یہ کبھی نہیں ہوگا" قریش کی طرف سے مطعم بن عدی بولا۔ کہ "پھر اے ابوطالب! تمہاری قوم نے تو تم پر ہر رنگ میں حجت پوری کردی ہے اور اب تک جھگڑے سے اپنے آپ کو بچایا ہے۔ مگر تم ان کی کوئی بات بھی مانتے نظر نہیں آتے ابوطالب نے کہا "واللہ میرے ساتھ انصاف نہیں کیا جارہا اور مطعم میں دیکھتا ہوں کہ تم بھی اپنی قوم کی پیٹھ ٹھونکنے میں میرے ساتھ بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو۔ پس اگر تمہارے تیور بدلے ہوئے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں تم نے جو کرنا ہے وہ کرو"۔ [1]

آنحضرتؐ اور مسلمانوں کی تکالیف میں اضافہ

قریش نے جب دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تبلیغ سے روکنے کے لئے ہماری کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی۔ تو تمام قبائل نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ جس جس قبیلہ سے کوئی شخص مسلمان ہوا ہے وہ قبیلہ اپنے

---

[1] ابن ہشام وطبری

آدمی کو ہر ممکن طریق سے اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرے اور اس طرح سے جب تمام مسلمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر اپنے آبائی دین پر آجائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا رہ جائے گا۔ اور اس کی تمام کوششیں بے کار ثابت ہونگی۔ چنانچہ ہر ایک قبیلہ نے اس فیصلہ پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک اور مصیبت کا باب کھل گیا۔ قریش میں سے حضرت عثمان کو رسیوں میں جکڑ کر پیٹا گیا۔ حضرت زبیر بن العوام کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کے ناک میں دھواں دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کو صحن کعبہ میں مار مار کر ہلکان کر دیا گیا۔ حضرت ابوذر غفاری کو اس قدر مارا گیا کہ اگر عباس بن عبدالمطلب عین موقعہ پر پہنچ کر نہ چھڑاتے تو قریب تھا کہ ان کی جان نکل جاتی۔ غلاموں میں سے حضرت بلال بن رباح کو مکہ کے تپتے ہوئے پتھریلے میدان میں لٹا کر اوپر گرم پتھر رکھ کر ایذا دی جاتی اور اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا۔ لبینہ اور زنیرہ کی داستان مصائب بھی کچھ کم روح فرسا نہیں۔ حضرت صہیب بن سنان رومی اور حضرت خباب بن الارت بھی گو اب غلام نہ تھے۔ مگر انہیں بھی اس قدر ایذا دی گئی کہ الاماں! حضرت عمار کو مع ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ کے اس قدر دکھ دیا گیا کہ ان کا حال پڑھ کر روح کانپنے لگ جاتی ہے غرض یہ تو نمونۃً مسلمانوں کا حال تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جن کی پشت پر بنو ہاشم اور بنو مطلب کی حمایت کا سہارا تھا۔ قریش کی چھیڑ چھاڑ اور طعن و تشنیع سے محفوظ نہ تھے۔ انہی ایام کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ

جب حج کا موسم قریب آگیا۔ تو قریش کو یہ فکر دامنگیر ہوئی۔ کہ عرب کے مختلف اطراف سے لوگ آئیں گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بابت ہم سے سوال کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دوسرے کے متضاد جوابات دیکر ان کے شبہ کو اور قوی کر دیں۔ لہٰذا ہمیں آپس میں مشورہ کر کے کوئی ایک جواب سوچنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے وہ ولید بن مغیرہ کے مکان پر جمع ہوئے ایک شخص بولا کہ یہ تو بالکل معمولی بات ہے۔ ہم کہیں گے یہ کاہن ہے اور کاہنوں کی سی باتیں کر کے اس نے چند قریش اور کچھ غلاموں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ ولید نے کہا یہ تمہاری بات کون تسلیم کرے گا۔ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تو کاہنوں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ دوسرے نے کہا اچھا ہم مجنون کہہ دیں گے ولید بولا۔ مجنون تم اسے کیسے کہہ سکتے ہو۔ نہ اس میں اضطراب ہے نہ وحشت ہے اور نہ وسوسہ اور یہی تینوں علامتیں ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص کو مجنون کہا جا سکتا ہے۔ تیسرا بولا اگر ہم شاعر کہدیں تو کیا اس کی جادو بیانی اور موثر کلام کی وجہ سے لوگ ہماری بات کو مان نہیں لیں گے؟ ولید نے کہا ہرگز نہیں۔ کیونکہ ایک شاعر کے کلام میں مختلف اوزان 'رجز' ہزج' مبسوط اور مقبوض وغیرہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ اوزان اس کے کلام میں نہیں ہیں۔ چوتھے نے کہا اگر ہم اسے ساحر کہہ کر پیش کریں۔ تو کیا لوگ تسلیم نہیں کر لیں گے ولید نے بہت حیرت زدہ ہو کر جواب دیا کہ اس معاملہ میں میں خود حیران ہوں۔ جو بات سوچتا ہوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وہ چسپاں ہوتی نظر نہیں آتی۔ ساحر والی بات قدرے موزوں نظر آتی

ہے اسی پر غور کر لو۔ غرض قریش کے باہمی اتفاق سے یہ فیصلہ ہوا کہ مکہ کے تمام مرد و زن بچوں بوڑھوں اور جوانوں میں یہ بات مشہور کر دی جائے۔ کہ وہ آج سے محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کو ساحر کہنا شروع کر دیں۔ چنانچہ اہل مکہ میں یہ بات مشہور کر دی گئی اور انہوں نے ایسا زور شور سے اس کا پراپیگنڈہ کیا کہ چند ہی دنوں میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا۔

قریش نے پھر اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ عملاً بھی دکھ دینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے ایک نہایت ہی گندی اور بدبودار چیز آپ کے گھر میں پھینک دی۔ آپ نے اسے باہر پھینک کر صرف اتنا فرمایا کہ "اے بنو عبد مناف تم نے یہ اچھا ہمسائگی کا حق ادا کیا" [1] ان ایام میں قریش آپ کی مخالفت میں بالکل اندھے ہو رہے تھے حتی کہ آپ کو محمد کی بجائے مذمم یعنی بدنام اور مذمت شدہ کہہ کر پکارتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ میرا نام تو محمد ہے اور جو محمد ہو وہ مذمم کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اس زور سے بھینچا کہ آپ کا دم رکنے لگا۔ مگر اتفاق سے حضرت ابوبکر کو اس بات کا علم ہوا۔ آپ فوراً دوڑ کر موقعہ پر پہنچ گئے۔ اور آپ کو اس بدبخت کے شر سے بچا لیا اور قریش سے مخاطب ہو کر کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ یعنی کیا تم ایک

---

[1] طبری

شخص کو صرف اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے۔ میرا رب اللہ ہے [1]

آنحضرتؐ کی مسلمانوں کو صبر کی تعلیم

مگر باوجود اس قدر مصائب کے مسلمانوں نے جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بددعا یا انتقام کے لئے استدعا کی آپ نے ہمیشہ صبر کی تعلیم دی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چند صحابہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ مسلمانوں کو قریش کے ہاتھ سے اتنی تکالیف پہنچ رہی ہیں آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں فرماتے؟" یہ الفاظ سنتے ہی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بڑے جلال سے فرمایا "دیکھو تم سے پہلے وہ لوگ گذر چکے ہیں جن کا گوشت لوہے کے کانٹوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں تک صاف کر دیا گیا مگر وہ اپنے دین سے متزلزل نہیں ہوئے۔ اور وہ لوگ بھی گذرے ہیں جن کے سروں پر آرہ رکھ کر انہیں چیر دیا گیا مگر ان کے قدموں میں بھی لغزش نہیں آئی۔ دیکھو خدا اس کام کو ضرور پورا کرے گا حتی کہ ایک شتر سوار صنعا (شام) سے لیکر حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہو گا مگر تم جلدی کرتے ہو" [2]

ایک دفعہ عبدالرحمان بن عوف چند اور صحابہ کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے

---

[1] بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[2] نسائی بحوالہ تیمس الصحاح جلد اول ص ۱۵۲

اور کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جب سے مسلمان ہوئے ہیں۔ متواتر کفار کے مظالم سہ رہے ہیں یا رسول اللہ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم کفار کا مقابلہ کریں"۔ آپ نے فرمایا اِنِّیْ اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوْا۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو کا حکم دیا گیا ہے۔ پس میں تمہیں لڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

"گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار"

ہجرت حبشہ رجب ۵ نبوی

بہرحال اب مسلمانوں کی تکلیف انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ "حبشہ کا بادشاہ عادل اور انصاف پسند ہے اسکی حکومت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا[1] وہاں ہجرت کر جاؤ"۔ حبشہ کا ملک براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع تھا اس زمانہ میں وہاں کا بادشاہ اصحمہ نامی تھا۔ بلکہ اب تک بھی وہاں کا حکمران اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق رجب ۵ نبوی میں سب سے اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ ان میں سے زیادہ مشہور کے نام یہ ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان اور ان کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبدالرحمان بن عوف۔ زبیر بن العوام۔ ابوحذیفہ بن عتبہ۔

---

[1] ابن ہشام و طبری

عثمان بن مظعون۔ مصعب بن عمیر۔ ابو سلمہ بن عبد الاسد اور انکی زوجہ ام سلمہ[1]۔ یہ مہاجرین کا قافلہ عموماً ان لوگوں پر مشتمل تھا جو طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ کمزوروں میں جو آزاد تھے۔ ان میں تو طاقت ہی نہ تھی۔ اور جو غلام تھے۔ وہ یوں بھی بے بسی کی حالت میں تھے۔

غرض یہ مومنین کا قافلہ جب شعیبہ پہنچا۔ جو اس زمانہ میں عرب کی ایک مشہور بندرگاہ تھا تو انہیں فوراً ایک تجارتی جہاز مل گیا جس پر یہ سوار ہو گئے۔ قریش کو جب اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو انہوں نے فوراً تعاقب کیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جہاز روانہ ہو چکا تھا۔ ناچار خائب و خاسر واپس لوٹ آئے۔

ان کے اس طرح ناکام واپس آنے پر قریش مکہ نے باہم مل کر یہ فیصلہ کیا کہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے پاس مع بیش قیمت تحائف کے دو سفیر بھیجے جائیں۔ جو وہاں جاکر درخواست کریں کہ چند بیوقوف لوگ جنہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے ملک میں ایک فساد عظیم برپا کر دیا ہے بھاگ کر آپ کے ملک میں آگئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آپ انہیں واپس کر دیں۔

چنانچہ اس غرض کے لئے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو منتخب کیا گیا۔ یہ دونوں حبشہ کے دارالسلطنت اکسوم میں پہنچے۔ پہلے تحائف پیش کر کے درباریوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ پھر نجاشی کے دربار میں

---

[1] ابن ہشام

حاضر ہوئے۔ اور خوب اچھی طرح سے قریش کے خیالات کی ترجمانی کی درباریوں نے بھی تائید کی۔ لیکن نجاشی جو ایک بیدار مغز اور روشن ضمیر انسان تھا اس نے یک طرفہ فیصلہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ میں جب تک مسلمانوں کا بیان بھی نہ سن لوں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مسلمان مہاجرین بھی بلائے گئے۔ نجاشی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیا دین ہے جو تم نے نکالا ہے"۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے مسلمانوں کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کہ اے بادشاہ! ہم جاہل لوگ تھے۔ بت پرستی کرتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریوں میں مبتلا تھے قطع رحمی کرتے تھے ہمسایوں سے بد معاملگی کرتے تھے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کا حق دبا لیتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول بھیجا۔ جس کی نجابت اور صدق و امانت کو ہم سب جانتے تھے۔ اس نے ہم کو توحید سکھائی اور بت پرستی سے روکا اور راست گفتاری اور امانت اور صلہ رحمی کا حکم دیا اور ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تعلیم دی اور بدکاری اور جھوٹ اور یتیموں کا مال کھانے سے منع کیا اور خونریزی سے روکا۔ اور ہم کو عبادت الٰہی کا حکم دیا۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی اتباع کی۔ لیکن اس وجہ سے ہماری قوم ہم پر ناراض ہو گئی اور اس نے ہم کو دکھوں اور مصیبتوں میں ڈالا اور ہم کو طرح طرح کے عذاب دیئے اور ہم کو اس دین

سے جبراً روکنا چاہا۔ حتیٰ کہ ہم تنگ ہو کر اپنے وطن سے نکل آئے اور آپ کے ملک میں آکر پناہ لی۔ پس اے بادشاہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کے ماتحت ہم پر ظلم نہ ہو گا"۔[1]

نجاشی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اور حضرت جعفر سے کہنے لگا جو کلام تم پر اترا ہے۔ وہ مجھے سناؤ"۔ اس پر حضرت جعفر نے بڑی خوش الحانی سے سورہ مریم کی چند آیات سنائیں یہ آیات سن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے رقت بھرے لہجہ میں کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور ہمارے مسیح کا کلام تو ایک ہی منبع نور کی کرنیں معلوم ہوتی ہیں"۔ یہ کہہ کر نجاشی نے قریش کے وفد کو کہا "کہ تم واپس چلے جاؤ۔ میں ان مظلوم لوگوں کو تمہارے خونی پنجہ میں نہیں دینا چاہتا۔"

مگر قریش اپنا پورا زور لگانے کے بغیر کیسے واپس جاسکتے تھے دوسرے دن عمرو بن العاص پھر دربار میں حاضر ہوا اور نجاشی سے عرض کیا کہ "جناب آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ مسیح کے متعلق کیا کہتے ہیں"۔ نجاشی نے کہا بہت اچھا ہم مسیح کے متعلق بھی ان کی تعلیم سن لیتے ہیں"۔ چنانچہ مسلمان پھر حاضر ہوئے اور حضرت جعفر نے کہا۔ "اے بادشاہ! ہمارے اعتقاد کی رو سے حضرت مسیح اللہ کا ایک بندہ ہے۔ خدا نہیں ہے۔ مگر وہ اس کا ایک بہت مقرب رسول ہے اور اس کے اس کلام سے عالم ہستی میں آیا ہے جو اس نے مریم پر ڈالا"۔

---

[1] بخاری شریف

نجاشی نے فرش سے ایک تنکا اٹھا کر کہا۔ کہ

"واللہ جو مرتبہ مسیح کا تم نے بیان کیا ہے میں اس تنکے کے برابر بھی اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا"۔ گو نجاشی کے اس کلام پر دربار کے پادری بھی جو مسیح کو ابن اللہ کہتے تھے برہم ہوئے لیکن نجاشی نے ان کی کچھ پرواہ نہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکام واپس آئے۔ ان کا اس طرح ناکام واپس آنا قریش پر بہت گراں گذرا اور انہوں نے اور بھی زیادہ شدت کے ساتھ مسلمانوں کو دکھ دینا شروع کر دیا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے جب نجاشی سے اس قدر نیک سلوک دیکھا تو مکہ میں خبر بھیج کر دوسرے بھائیوں کو بھی اپنے پاس آنے کی دعوت دی چنانچہ اگلے سال علاوہ بچوں کے ایک سو ایک مرد عورت حبش میں جمع ہو گئے اور یہ حبش کی ہجرت ثانیہ کہلاتی ہے۔ یہ مہاجرین ایک عرصہ تک بڑے امن کے ساتھ حبشہ میں زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر اکثر ہجرت یثرب کے قریب واپس آگئے اور بعض جو باقی رہ گئے تھے وہ اس وقت واپس آئے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خیبر سے واپس آرہے تھے۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ

اس جگہ پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کو حبشہ میں ٹھہرے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ نجاشی کو اپنے ایک حریف سے جنگ پیش آگئی۔ اس پر مسلمانوں نے باہم

مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اس سلطنت نے ہمیں مذہبی آزادی اور پناہ دی ہے ہمیں بھی اسکی امداد کرنی چاہئے چنانچہ انہوں نے زبیر بن العوام کو دریائے نیل کے پار میدان جنگ میں بھیجا کہ وہاں کے حالات سے اطلاع دیں اور خود پیچھے نجاشی کی فتح کیلئے خدا سے دعائیں کرتے رہے [1]

[1] ان جملہ حالات کے لئے دیکھو ابن ہشام و زرقانی و طبری و ابن سعد و بخاری

باب پنجم

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام لانا۔ آنحضرتؐ اور آپ کے ہمدرد قبائل کا شعب ابی طالب میں محصور ہونا۔ ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات۔ سفر طائف اور ہجرت یثرب تک کے حالات

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام ۶ نبوی

ہجرت حبشہ کے مسلسل واقعات کو بیان کرنے کی وجہ سے بعض درمیانی واقعات کو عمداً چھوڑ دیا گیا تھا جنہیں اب بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت حمزہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے۔ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ ہر روز علی الصبح تیر کمان ہاتھ میں لیکر شکار کو نکل جاتے تھے اور شام کو واپس لوٹتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ابھی آپ گھر پہنچے ہی تھے کہ ایک خادمہ بولی۔

"کیا آپ نے سنا کہ ابھی ابھی ابوالحکم (ابوجہل) آپ کے بھتیجے کو سخت برا بھلا کہتا گیا ہے اور بہت گندی گالیاں دی ہیں مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سامنے سے جواب نہیں دیا"۔

یہ سن کر حضرت حمزہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ فوراً کعبہ کا رخ کیا اور پہلے طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر اس مجلس کی طرف بڑھے جس میں ابوجہل بیٹھا تھا اور جاتے ہی اس زور سے ابوجہل کے سر پر اپنی کمان ماری کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ پھر کہا :-

"میں نے سنا ہے کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دی ہیں۔ سن میں بھی محمد کے دین پر ہوں اور میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتا ہے۔ پس اگر تجھ میں کچھ ہمت ہے تو میرے سامنے بول۔"

حضرت حمزہ کی یہ جرأت دیکھ کر ابوجہل کے ساتھیوں کو بھی جوش آیا۔ لیکن ابوجہل نے جو حضرت حمزہ کی دلیری سے مرعوب ہو چکا تھا۔ یہ کہہ کر روک دیا کہ حمزہ حق بجانب ہے۔ واقعی مجھ سے زیادتی ہو گئی تھی۔

حضرت حمزہ جوش میں آکر یہ الفاظ کہہ بیٹھے تھے۔ اول تو گھبرائے پھر سوچنے لگے۔ اور آخر دل نے یہی فیصلہ کیا کہ اب مسلمان ہو جانا ہی بہتر

ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

اسلام حضرت عمرؓ

حضرت حمزہؓ کو اسلام لائے ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ حضرت عمرؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کے اسلام لانے کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ آپ مسلمانوں کو سخت تکلیف دیا کرتے تھے۔ ایک دن خیال آیا کہ کیوں نہ اس "فتنہ" کے بانی کو ہی قتل کر دیا جائے۔ تلوار ہاتھ میں لی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ راستہ میں ننگی تلوار دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا۔ عمر کہاں جاتے ہو"؟ عمر نے جواب دیا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں" اس نے کہا محمد کو قتل کرنے سے پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ کیا تمہیں علم نہیں؟ کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر نے فوراً اپنی بہن فاطمہ کے گھر کا رستہ لیا۔ جب دروازہ پر پہنچے۔ تو اندر سے کسی کے قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی۔ یہ آواز سن کر عمر کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ فوراً آگے بڑھے۔ حضرت خبابؓ بن الارت جو قرآن کریم پڑھ رہے تھے وہ فوراً کہیں چھپ گئے۔ اور فاطمہ نے قرآن کریم کے اوراق چھپا دیئے۔ حضرت عمر اندر داخل ہوتے ہی بڑے جلال کے ساتھ بولے "میں نے سنا ہے تم اپنے دین سے پھر گئے ہو" یہ کہا اور اپنے بہنوئی سعید بن زید پر حملہ کر دیا۔

فاطمہ اپنے خاوند کو چھڑانے کے لئے آگے بڑھیں تو وہ بھی زخمی ہو گئیں۔ مگر جرأت سے کہا۔ "ہاں عمر ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور تم سے جو ہو سکتا ہے کرلو۔ ہم اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے" عمر نے اپنی بہن کا دلیرانہ کلام سن کر نظر اٹھائی۔ دیکھا تو وہ خون میں تربتر تھی اس نظارہ نے حضرت عمرؓ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔ "اچھا مجھے وہ کلام دکھاؤ۔ جو تم پڑھ رہے تھے"۔ فاطمہ نے کہا مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ تم وہ اوراق ضائع کردو گے۔ عمر بولے نہیں نہیں میں ضرور واپس کردوں گی۔ فاطمہ بولی۔ مگر تم نجس ہو اور قرآن کریم کو پاکیزگی کی حالت میں ہاتھ لگانا چاہئے۔ پس تم پہلے غسل کرلو اور پھر دیکھنا۔ غسل کے بعد حضرت عمر نے سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیات کو ایک مرعوب دل کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی ○

"یعنی میں ہی اس دنیا کا واحد خالق اور مالک ہوں میرے سوا اور کوئی قابل پرستش نہیں۔ پس تمہیں چاہئے کہ صرف میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے لئے اپنی دعاؤں کو وقف کرو۔ دیکھو موعود گھڑی جلد آنے والی ہے مگر ہم اس کے وقت کو مخفی رکھے ہوئے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے کئے کا سچا بدلہ پاسکے"۔

اس پاک اور پاکیزہ کلام کی عظمت اور شان نے حضرت عمر کی فطرت

کی گہرائیوں پر اثر کیا۔ بے اختیار ہو کر بولے "یہ کیسا عجیب اور پاک کلام ہے" خبابؓ یہ الفاظ سن کر فوراً باہر آئے۔ حضرت عمر نے کہا "مجھے ابھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دار ارقم میں ہی تھے۔ حضرت عمر نے دروازہ پر جا کر دستک دی صحابہ نے درازمیں سے حضرت عمر کو ننگی تلوار تھامے ہوئے دیکھ کر تامل کیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو اور حضرت حمزہ نے بھی کہا دروازہ کھول دو۔ اگر عمر نیک ارادہ سے آیا ہے تو فبہا۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا دروازہ کھولا گیا حضرت عمر اندر داخل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر عمر کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ اور کہا "عمر کس ارادہ سے آئے ہو" عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مسلمان ہونے آیا ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ الفاظ سن کر اس قدر خوشی ہوئی۔ کہ جوش مسرت میں اونچی آواز سے اللہ اکبر کہا اور ساتھ ہی صحابہ نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں [1]

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو اس قدر تقویت پہنچی کہ انہوں نے کھلم کھلا مسجد حرام میں نماز ادا کی۔

درخواست صلح

جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے

---

[1] ابن ہشام

استقلال اور ہمت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسے بڑے بڑے لوگ بھی ان کے مذہب کو قبول کرتے جاتے ہیں تو انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ کسی طریق سے آپ کو اپنے مذہب کی اشاعت سے باز رکھنے کی کوشش کرے لیکن جب عتبہ بھی ناکام واپس[1] آئے تو تمام قریش خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور باہمی مشورہ سے آخری فیصلہ یہ قرار پایا کہ بڑے بڑے تمام رؤسا اکٹھے ہو کر آنحضرت ﷺ کو سمجھائیں۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ ابو جہل۔ امیہ بن خلف۔ عتبہ۔ شیبہ اور ابو سفیان وغیرہ تمام صحن کعبہ میں مجلس جما کر بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ کو ایک آدمی بھیج کر بلا بھیجا۔ جب آپؐ تشریف لے آئے تو قریش نے کہا محمد! (ﷺ) تم شریف ہو۔ تمہارا خاندان بھی شریف اور معزز ہے۔ مگر تم نے قوم کے اندر ایک فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی ہے۔ ذرا اتنا تو بتاؤ کہ آخر تمہارا کیا مقصد ہے؟ اگر تم کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم تمہارے لئے اس قدر مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم عرب میں سب سے مالدار ہو جاؤ گے اور اگر تم کو حکومت اور سرداری کی خواہش ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور تمہاری حکومت کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی بیماری لاحق ہے۔ تو ہم اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے تمہارا علاج کروا سکتے ہیں اور اگر تمہیں شادی کرنا منظور ہے تو ہم سب سے اعلیٰ گھرانے کی حسین ترین

---

[1] ابن ہشام و طبری

لڑکی کے ساتھ تمہاری شادی کرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر ان سب چیزوں کے خواہش مند ہو تو ہم تمہاری ساری خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے جب قریش کی یہ تقریر سنی تو نہایت ہی ہمدردی بھرے دل سے فرمایا :-

"اے قریش کے گروہ! مجھے نہ تو ان چیزوں میں سے کسی کی خواہش ہے۔ اور نہ ہی میں بیمار ہوں۔ میں تو صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پیغام لیکر آیا ہوں۔ اگر تم مان لو تو تمہارا اس میں فائدہ ہے اور اگر انکار کرو تو میں نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کروں گا"۔

اس جواب کے بعد قریش نے کچھ اور اعتراضات کئے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہماری ان باتوں کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا محرم ۷ نبوی

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ اب کوئی ذریعہ بھی مسلمانوں کو تائب کرنے کا نہیں رہا تو باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے تمام غمخواروں کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں اور ان سے خرید و فروخت قطعاً بند کر دی جائے۔ چنانچہ محرم ۷ نبوی میں اس

مضمون کا ایک باقاعدہ معاہدہ لکھا گیا۔ جس پر تمام بڑے بڑے رؤسا نے دستخط کئے اور یہ عہد نامہ کعبہ کی ایک دیوار کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا۔ چنانچہ ابولہب کو چھوڑ کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے دونوں خاندان کیا مسلم اور کیا غیر مسلم سب کے سب شعب ابی طالب میں جو ایک پہاڑی درہ کی صورت میں تھا محصور ہو گئے اور چند گنتی کے دوسرے مسلمان بھی جو اس وقت مکہ میں موجود تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

ان ایام میں جو جو مصائب و آلام مسلمانوں کو برداشت کرنے پڑے ان کا حال پڑھ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کے وقت میرا پاؤں کسی ایسی چیز پر جا پڑا جو تر اور نرم معلوم ہوتی تھی (شاید کوئی کھجور کا دانہ ہوگا) میں نے فوراً اسے اٹھا لیا اور نگل گیا اور آج تک مجھے پتہ نہیں لگا کہ وہ کیا چیز تھی ایک اور موقعہ پر بھوک کی وجہ سے میرا یہ حال تھا۔ کہ اتفاقاً ایک چمڑے کا سوکھا ہوا ٹکڑا زمین پر پڑا ہوا مل گیا۔ میں نے اسے پانی میں بھگو کر صاف کیا اور بھون کر کھایا۔ اور تین دن اسی چمڑے پر بسر کئے۔

اس ظلم عظیم سے رہائی

اس مصیبت کی زندگی پر قریباً اڑھائی تین سال گذر چکے ہوں گے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ چچا مجھے خدا نے بتایا ہے کہ ہمارے خلاف جو معاہدہ لکھا گیا تھا اسے سوائے اس جگہ کے جہاں خدا کا نام ہے۔ دیمک کھا چکی ہے۔ ابو طالب جنہیں

اپنے بھتیجے کی بات پر سو فی صدی یقین تھا۔ فوراً کعبہ میں پہنچے اور رؤسائے قریش کو مخاطب کرکے کہنے لگے "تمہارا یہ ظالمانہ معاہدہ کب تک چلے گا۔ واللہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے کہ خدا نے اس معاہدہ کی ساری تحریر کو سوائے اپنے نام کے مٹا دیا ہے۔ تم ذرا وہ معاہدہ نکالو تو سہی۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ میرے بھتیجے کی بات کہاں تک درست ہے۔ بعض اور لوگوں نے بھی تائید کی۔ چنانچہ معاہدہ نکالا گیا۔ دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی بالکل درست نکلی۔ اب کیا تھا چند انصاف پسند اور رحم دل رؤسا فوراً بول اٹھے۔ کہ اب ہمیں یہ معاہدہ فوراً ختم کر دینا چاہئے۔ یہ بالکل غیر مناسب ہے کہ ہم یہاں مزے سے زندگی بسر کریں۔ اور ہمارے بھائی بند اس طرح مصیبت کے دن کاٹیں۔ ابوجہل نے حیل و حجت کی۔ لیکن مطعم بن عدی نے فوراً ہاتھ بڑھا کر بوسیدہ دستاویز چاک کر دی۔ اور محصورین فوراً ہتھیار لگا کر شعب ابی طالب سے باہر آگئے یہ واقعہ بعثت نبوی کے دسویں سال کا ہے۔ معجزہ شق القمر کے متعلق بھی جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے مورخین نے لکھا ہے کہ شعب ابی طالب میں ہی ظاہر ہوا تھا۔[1]

عام الحزن ۱۰ نبوی

اب ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی عمریں بھی کافی ہو چکی تھیں

---

[1] معجزہ شق القمر کے متعلق ایک نہایت ہی مفید نوٹ سیرۃ خاتم النبیین حصہ اول صفحہ ۲۴۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مزید بر آں شعب ابی طالب میں مسلسل اڑھائی تین سال محصور رہنے کی وجہ سے ان کی صحتیں اور بھی گر گئی تھیں۔ اس لئے ابھی شعب ابی طالب سے نکلے چند ہی دن ہوئے تھے کہ دونوں نے یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں کی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ نے اس سال کا نام ہی عام الحزن یعنی "غموں کا سال" رکھ دیا۔

حضرت خدیجہؓ کی یاد

حضرت خدیجہؓ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ جب آپ فوت ہوئیں تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور ایک عرصہ تک آپ کے چہرہ پر غم کے آثار نمودار رہے اور ان کی وفات کے بعد جب کبھی ان کا ذکر آتا۔ تو آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور ایسی محبت سے ان کا ذکر کرتے کہ دوسری بیویوں کو رشک آجاتا۔ حتیٰ کہ ایک ایسے ہی موقعہ پر حضرت عائشہؓ نے جنہیں ان کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد عزیز رکھتے تھے۔ نسوانی جذبہ کے ماتحت کہہ دیا کہ یا رسول اللہ آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں جو فوت ہو چکیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اچھی بیویاں آپ کو دیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :-

"عائشہ! کیا میں اس کا ذکر نہ کروں جو اس وقت میری صداقت پر

ایمان لائیں۔ جب کہ سب نے میری تکذیب کی اور اس وقت میری معین بنیں۔ جب کہ میرا کوئی مددگار نہ تھا"۔

حضرت خدیجہؓ کے متعلق آپ کے قلب میں جذبات محبت اس قدر موجزن تھے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زندہ بیوی کے متعلق کبھی جذبات رقابت پیدا نہیں ہوئے۔ مگر حضرت خدیجہؓ کے متعلق بعض اوقات میرے دل میں رقابت کا احساس ہونے لگتا۔ کیونکہ میں دیکھتی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی اور ان کو یاد کرکے آپ بے قرار ہو جاتے تھے اسی جذبہ محبت کا نتیجہ تھا کہ جب کوئی تقریب ہوتی تو آپ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو خاص طور پر گوشت بھجواتے اور انہیں تحفے تحائف بھیجتے رہتے اور ان کا بہت احترام کرتے۔[1]

آپؐ کی تکلیفوں میں اضافہ

حضرت خدیجہ اور ابو طالب کی وفات کے بعد قریش نے اپنے کھلم کھلا مظالم میں اور اضافہ کر دیا۔ انہی ایام میں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ صحن کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور نزدیک ہی قریش بھی مجلس لگائے بیٹھے تھے کہ ابو جہل بولا "کیا اچھا ہو کہ اس وقت کوئی شخص اٹھے اور کسی اونٹنی کا بچہ دان لاکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ڈال دے" چنانچہ عقبہ بن ابی معیط فوراً اٹھا اور عین اس وقت جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود تھے۔

---

[1] بخاری

باہر سے ایک اونٹنی کا گند اور الائش سے بھرا ہوا بچہ دان لاکر آپ کی پشت پر ڈال دیا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کو کہیں سے پتہ لگ گیا۔ آپ فوراً دوڑی آئیں اور اپنے باپ کے کندھوں سے یہ بوجھ اتارا۔ تب کہیں جا کر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ کا نکاح ۱۰ نبوی

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد فرقہ اناث کی تربیت کے لئے ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شادی کرتے مگر چونکہ مناسب بیوی کا انتخاب مشکل تھا۔ اس لئے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ جس کے نتیجہ میں آپ کو جبرئیل خواب میں ملے اور سبز رنگ کا ایک ریشمی رومال پیش کر کے کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہے دنیا اور آخرت میں۔ آپ نے رومال کھول کر دیکھا تو اس پر حضرت عائشہ بنت ابو بکر کی تصویر تھی [1]

اس خواب کے کچھ عرصہ بعد خولہ بنت حکیم نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "یا رسول اللہ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے" فرمایا "کس سے کروں" خولہ نے عرض کیا۔ آپ کے دوست ابوبکر کی بیٹی عائشہ کنواری موجود ہے۔ اور آپ کے خادم سکران بن عمرو مرحوم کی بیوی سودہ بنت زمعہ بیوہ موجود ہے۔ فرمایا اچھا تم بات کرو چنانچہ سودہ سے بات کرنے پر دونوں کے متعلقین نے اپنی خوش قسمتی سمجھ کر فوراً اس رشتہ پر اظہار رضامندی کیا اور شوال ۱۰ نبوی میں چار چار سو درہم مہر پر یہ

---

[1] بخاری و اسد الغابہ

دونوں نکاح ہو گئے۔ حضرت سودہؓ کا رخصتانہ تو معاً بعد ہو گیا۔ مگر حضرت عائشہ کا رخصتانہ عمر کم ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے ملتوی رہا۔ حضرت سودہ ابتدائے نبوت میں مشرف باسلام ہو چکی تھیں اس لئے ان کو قدیم الاسلام ہونے کا فخر حاصل تھا۔[1]

سفر طائف۔ شوال ۱۰ نبوی

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات نے آپ کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا اور مکہ میں تبلیغ کرنا آپ کے لئے ازحد مشکل ہو گیا۔ اس لئے آپؐ نے شوال ۱۰ نبوی میں طائف جانے کا عزم کیا۔ طائف مکہ سے جنوب مشرق کی طرف چالیس میل کے فاصلہ پر ایک مشہور شہر ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دس دن قیام کیا۔ رؤسائے شہر نے آپ کا مذاق اڑایا۔ اور طائف کے رئیس اعظم عبد یالیل نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "اگر آپ سچے ہیں تو مجھے آپؐ سے گفتگو کی مجال نہیں اور اگر جھوٹے ہیں تو گفتگو لا حاصل ہے" اور پھر اس خیال سے کہ کہیں شہر کے نوجوانوں پر اثر نہ پڑ جائے۔ شہر کے آوارہ لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے برابر تین میل تک آپؐ کا تعاقب کیا۔ اور اس قدر آپؐ پر پتھر برسائے کہ آپ سر سے لیکر پاؤں تک لہولہان ہو گئے۔

---

[1] اس موقعہ پر تعدد ازدواج کے موضوع پر ایک مختصر سا نوٹ سیرۃ خاتم النبیینؐ حصہ اول صفحہ ۲۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اس سفر سے واپسی پر
تیرے پاس بھیجا ہے تاگر ارشاد ہو تو میں یہ پہلو کے دونوں پہاڑ ان لوگوں پر
پیوست کرکے ان کا خاتمہ کردوں" مگر آپ نے فرمایا "نہیں نہیں مجھے
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں میں سے وہ لوگ پیدا کردے گا جو
خدائے واحد کی پرستش کریں گے"۔ [1]

طائف سے تین میل کے فاصلہ پر عتبہ بن ربیعہ رئیس مکہ کا ایک باغ
تھا وہاں پہنچ کر آپ نے ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو کر لوگوں کے
مقابلہ میں اپنی کمزوری۔ ناتوانی اور بے بسی کی خدا تعالیٰ کے حضور میں
شکایت کی۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر عتبہ کا دل بھر آیا۔ اور اس نے
ایک عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگوروں کا ایک خوشہ آپ کے لئے
بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم
کہاں کے رہنے والے ہو؟ اور کس مذہب کے پابند ہو"؟ اس نے کہا میں
نینوا کا رہنے والا ہوں اور عیسائیت میرا مذہب ہے" آپ نے فرمایا "کیا
وہی نینوا جو خدا کے صالح بندے یونس بن متی کا مسکن تھا؟ عداس نے کہا
ہاں مگر آپ کو کیسے علم ہو گیا آپ نے فرمایا "وہ میرا بھائی تھا کیونکہ وہ بھی
اللہ کا نبی تھا اور میں بھی اللہ کا نبی ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ان باتوں کا عداس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اور اس نے جوش اخلاص میں
آگے بڑھ کر آپ کے ہاتھ چوم لئے۔
پھر آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے

---

[1] بخاری کتاب بدء الخلق

مطعم بن عدی کو کہلا بھیجا کہ میں مکہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں کیا تم میری کوئی مدد کر سکتے ہو؟ مطعم تھا تو پکا کافر مگر تھا بڑا شریف الطبع فوراً آپ کی حفاظت کا ذمہ دار بن گیا اور اس طرح آپؐ اس کی حفاظت میں مکہ میں داخل ہوئے“۔[۱]

قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو کا اسلام لانا

جس زمانہ میں سے ہم گذر رہے ہیں اس زمانہ میں مکہ معظمہ سے باہر اسلام کے پھیلنے کا بڑا ذریعہ یہی تھا کہ کسی قبیلہ کا کوئی شخص ایمان لے آتا اور پھر اس کے ذریعہ سے اس کے قبیلہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو جاتا اس قسم کی مثالوں میں سے قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ طفیل بن عمرو خود بیان کرتے ہیں کہ میں کسی تقریب پر مکہ میں آیا۔ مجھے دیکھ کر قریش کو بڑا فکر دامنگیر ہوا کہ یہ کہیں محمد (ﷺ) کی باتیں سن کر متاثر نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے خلاف مجھے بہت بدظن کر دیا۔ میں نے ان کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ ایسا نہ ہو میرے کانوں میں آپ کی آواز پڑ جائے اور میں آپ کا شکار ہو جاؤں۔ انہی دنوں میں اتفاق ایسا ہوا کہ میں ایک دن مسجد حرام میں چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کونہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں مجھے یہ نظارہ بھلا معلوم

[۱] سفر طائف میں ہی واپسی پر آپ کی خدمت میں جنات کا ایک وفد حاضر ہوا۔ تفصیل کیلئے دیکھئے سیرت خاتم النبیینؐ حصہ اول ص ۲۴۲

دیا اور میں آپ کے قریب ہو کر کچھ کچھ سننے لگا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ میں ایک سمجھدار آدمی ہوں مجھے تنگ ظرف نہیں بننا چاہئے۔ آپ کی آواز کو سن لینا چاہئے۔ اگر اچھی ہوئی تو مان لوں گا۔ اور اگر بری ہوئی تو انکار کر دوں گا۔ خیر اس خیال کے دل میں آتے ہی میں نے روئی اپنے کانوں سے نکال کر پھینک دی اور تلاوت قرآن سننے لگا۔ مگر اب میں اپنے حواس کھو چکا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر جانے لگے۔ تو میں بھی ساتھ ہو لیا اور آپ سے عرض کیا۔ کہ مجھے آپ اپنے سلسلہ کے حالات سے آگاہ فرماویں۔ میں سننا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے توحید کی تبلیغ فرمائی۔ جسے سن کر میں فوراً مسلمان ہو گیا اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کو پھیلایا۔ [1] [2]

فارس کے مقابلہ میں روم کے غلبہ کی پیشگوئی

اسی زمانہ میں آپ نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر فارس اور روم دونوں سلطنتوں کے متعلق جن کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی یہ پیشگوئی فرمائی۔ کہ گو روم اس وقت فارس سے مغلوب ہو رہا ہے لیکن چند سال کے عرصہ میں جو نو سال سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہوگا وہ فارس پر غالب آجائے گا چنانچہ مقررہ میعاد کے اندر ہی جنگ نے ایسا پلٹا کھایا کہ

---

[1] اس موقعہ پر معراج اور اسراء پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمائیے۔ سیرۃ خاتم النبیین حصہ اول ص ۲۴۹ پر [2] پنجگانہ نماز کی فرضیت اور اسلامی عبادات کا فلسفہ ملاحظہ فرمائیے سیرۃ خاتم النبیین حصہ اول ص ۲۷۳

روم نے فارس کو زیر کر کے اپنا تمام مفتوحہ علاقہ واپس لے لیا۔

مختلف قبائل کا دورہ

مکہ اور طائف کے لوگوں نے جب خدا کا پیغام سننے سے انکار کر دیا۔ تو آپ ؐ دیگر قبائل کی طرف متوجہ ہوئے اور چونکہ قبائل کے اجتماع کا بہترین موقعہ یا تو عکاظ۔ مجنہ اور ذوالمجاز کے میلے تھے اور یا حج کے ایام تھے اس لئے آپ نے ان موقعوں سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ مگر قریش کو بھی سخت خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔ کہ کہیں لوگ آپ کی باتوں کی طرف توجہ نہ دینا شروع کر دیں اس لئے بدبخت ابولہب کا تو گویا معمول ہی یہ ہو گیا تھا۔ کہ جہاں آپ ؐ تشریف لے جاتے وہ بھی وہیں آپ ؐ کی تقریر کے اثر کو زائل کرنے کے لئے جا پہنچتا۔ یہی حال ابوجہل کا تھا بہرحال خدا کا یہ مقدس رسول ہر خیمہ میں جاتا۔ اور رب العالمین کا پیغام پہنچاتا۔ اکثر تو انکار کر دیتے۔ مگر بعض سعید فطرت مان بھی لیتے [1]

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے آئے گا وہ انجام کار

مگر یہ ایام تھے آپ کے لئے انتہائی مشکلات کے جس قبیلہ میں آپ تشریف لے جاتے۔ آپ کی باتوں کا توجہ سے سننے کی بجائے ہنسی' مذاق اور تمسخر سے استقبال کیا جاتا۔ کوئی قوم پتھر برساتی تو کوئی دل آزار کلمات کہہ کر آپ کو واپس کر دیتی۔ سچ ہے۔

---

[1] قرآن شریف سورہ روم ع ۱

دعوت ہر ہر زہ گو کچھ خدمت آساں نہیں
ہر قدم میں کوہ ماراں ہر گذر میں دشت خار

اسی طرح حج کے دنوں میں آپ مختلف قبائل کا دورہ کر رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر خزرج قوم کے چند آدمیوں پر پڑی۔ یہ لوگ یثرب سے جنگ بعاث کی تیاری کے سلسلہ میں قریش سے مدد طلب کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں دعوت اسلام دی۔ ایک شخص فوراً بول اٹھا کہ "خدا کی قسم جس طرف یہ شخص (محمد ﷺ) ہم کو بلاتا ہے وہ اس سے بہتر ہے۔ جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں" مگر اس گروہ کے سردار نے اسے روک دیا۔

جنگ بعاث[۱] کے کچھ عرصہ بعد ۱۱ نبوی کے ماہ رجب میں آنحضرت ﷺ کی اہل یثرب سے پھر ملاقات ہو گئی اور آپ نے انہیں پھر تبلیغ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی وجہ سے یثرب میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔

بیعت عقبہ اولیٰ - ۱۲ نبوی

اس زمانہ میں اسلام نہایت مشکلات میں سے گذر رہا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسا نازک وقت اسلام پر ان دنوں میں آیا تھا۔ ایسا کبھی

---

[۱] رسول اللہ ﷺ کے یثرب آنے سے قبل وہاں کے دو بت پرست قبائل اوس اور خزرج کے درمیان ایک شدید جنگ ہوئی تھی جو جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔

بھی نہیں آیا چنانچہ سر ولیم میور اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"ان ایام میں محمد (صلعم) اپنی قوم کے سامنے اس طرح سینہ سپر تھا۔ کہ انہیں بعض اوقات حرکت کی تاب نہیں ہوتی تھی۔ اپنی بالآخر فتح کے یقین سے معمور مگر بظاہر بے بس اور بے یارومددگار۔ وہ اور اس کا چھوٹا سا گروہ اس زمانہ میں گویا ایک شیر کے منہ میں تھے۔ مگر اس خدا کی نصرت کے وعدوں پر کامل اعتماد رکھتے ہوئے جس نے اسے رسول بنا کر بھیجا تھا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ایک ایسے عزم کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ جسے کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی تھی یہ نظارہ ایسا شاندار تھا جس کی مثال سوائے اسرائیل کی اس حالت کے اور کہیں نظر نہیں آتی۔ کہ جب اس نے مصائب و آلام میں گھر کر خدا کے سامنے یہ الفاظ کہے تھے کہ اے میرے آقا اب تو میں ہاں صرف میں ہی اکیلا رہ گیا ہوں۔ نہیں بلکہ محمد (صلعم) کا یہ نظارہ اسرائیلی نبیوں سے بھی ایک رنگ میں بڑھ کر تھا..... .. محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ الفاظ اسی موقعہ پر کہے گئے تھے۔ کہ اے میری قوم کے صنادید۔ تم نے جو کچھ کرنا ہے کر لو میں بھی کسی امید پر کھڑا ہوں"۔

الغرض جب حج کا موسم آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب والوں کی تلاش کرنے لگے۔ آپ اسی تلاش میں مصروف تھے کہ ناگاہ آپ کی نظر اہل یثرب کی ایک چھوٹی سی جماعت پر پڑی۔ یہ کل بارہ

اشخاص تھے۔ جن میں سے پانچ تو گزشتہ سال کے مصدقین تھے اور سات نئے تھے۔ یہ بارہ اشخاص آپ کو الگ ہو کر ایک گھاٹی میں ملے اور مدینہ کے حالات سنا کر باقاعدہ طور پر سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ وہ جگہ جہاں بیعت لی گئی تھی عقبہ کہلاتی ہے جو مکہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ عقبہ کے لفظی معنے بلند پہاڑی رستہ کے ہیں۔

مکہ سے رخصت ہوتے ہوئے ان نومسلمین کی درخواست پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو بطور معلم ان کے ساتھ بھیج دیا مصعب کی کوشش سے تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور اوس و خزرج دو شدید مخالف قبائل کے بڑے بڑے لوگ مسلمان ہو گئے۔

بیعت عقبہ ثانیہ ۔ ۱۳ نبوی

اگلے سال حج کے موسم میں مصعب بن عمیر ستر ایسے آدمیوں کو لے آئے جو یا تو مسلمان ہو چکے تھے اور یا اب اسلام قبول کرنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اسی عقبہ کے مقام پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل علیحدگی میں ملاقات کی آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بھی تھے جو گو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مگر آپ کے دلی ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ چونکہ یثرب کے مسلمان یہ ارادہ کر کے آئے تھے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ یثرب لے آئیں گے۔ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی خدائی اشارہ ہو چکا تھا اس لئے حضرت عباس نے ان سے مخاطب ہو کر کہا "اے خزرج کے گروہ! تم جانتے ہو۔ کہ ہمارا خاندان ہر خطرہ کے وقت محمد (صلعم) کی حفاظت کا ضامن رہا ہے۔ اب انہیں تم اپنے پاس لے جانے کی خواہش رکھتے ہو سو اگر تم ان کی حفاظت کے پورے طور پر ذمہ دار بنتے ہو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ البراء بن معرور انصاری نے کہا۔ "عباس! ہم نے تمہاری بات سن لی ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اپنی زبان مبارک سے کچھ فرماویں اور جو ذمہ داری ہم پر ڈالنا چاہتے ہیں وہ بیان فرماویں"۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی چند آیات تلاوت فرما کر ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس میں حقوق اللہ و حقوق العباد کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو۔ جس طرح تم اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی حفاظت کرتے ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سن کر البراء بن معرور بولا "یا رسول اللہ ہمیں اس خدا کی قسم ہے۔ جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ ہم اپنی جانوں کی طرح آپ کی حفاظت کریں گے۔" البراء بن معرور کی یہ تقریر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اور ان ستر جانثاروں نے ایک دفاعی معاہدہ میں آپ کی بیعت کر لی اور یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے [۱]

---

[۱] طبری و ابن ہشام

باب ششم

دار الندوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا مشورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا۔ مدینہ میں انصار کا مہاجرین سے سلوک۔ یہود کے ساتھ معاہدہ' اور جنگ بدر تک کے موٹے موٹے واقعات

دار الندوہ میں آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد صحابہ کو تو آپ نے ایک ایک دو دو کر کے یثرب کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے اجازت کی انتظار کرتے رہے۔ قریش نے جب دیکھا کہ اب محمد (ﷺ) اکیلے رہ گئے ہیں تو دارالندوہ (قومی مشورہ گاہ) میں تقریباً ایک سو قریش باہم مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوئے۔ مختلف تجاویز پیش ہونے کے بعد آخر ابوجہل کی اس تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک جوان ننگی تلوار لے کر نکل آئے اور سب مل کر محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں۔ ایسا کرنے سے بنو عبد مناف کو مقابلہ کی تو جرأت نہ ہوگی اور خون بہا تمام قبائل پر پھیل جائے گا۔

ادھر یہ مشورہ ہو رہا تھا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کو یہ اجازت دے دی کہ آپ فوراً یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں اور یہ رات مکہ میں نہ گذاریں۔

آنحضرتؐ کا ہجرت کرنا

یہ اطلاع پا کر آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا۔ کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جو اس موقعہ کی انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے فوراً بولے کہ اَلصَّحْبَۃُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی یا رسول اللہ مجھے بھی ساتھ رکھئے ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ فرط خوشی سے رو پڑے اور عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے ہجرت کی تیاری میں دو اونٹنیاں پال رکھی ہیں ایک ان میں سے آپ قبول فرماویں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ہاں مگر قیمتاً لوں گا" حضرت ابوبکرؓ نے ناچار قبول کیا۔ اور ہجرت کی تیاری شروع ہوئی۔ کھانا

تیار کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ کو تمام معاملہ سمجھا کر آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے آئے۔ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور جو امانتیں میرے پاس لوگوں نے رکھی ہوئی ہیں۔ یہ ان کا حساب ہے اس کے مطابق تمام کا حساب بیباق کر کے مکہ سے نکلنا۔

رات کا تاریک منظر تھا۔ قریش کے نوجوان اپنے خونی ارادوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ صبح ہو اور آنحضرت ﷺ پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے رات کے پہلے حصہ میں ہی نکل جائیں گے۔

غار ثور میں پناہ

چنانچہ آنحضرت ﷺ نہایت ہوشیاری سے ان محاصرین کے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور جونہی آپؐ نے دیکھا کہ ان پر غفلت طاری ہے۔ فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ اور نہایت ہی خاموشی کے ساتھ جلد جلد مکہ کی گلیوں سے نکلتے ہوئے غار ثور کی راہ لی۔ حضرت ابو بکرؓ پہلے ہی انتظار کر رہے تھے۔ حسب قرارداد جب یہ دونوں رفیق غار ثور میں پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ نے اندر داخل ہو کر جگہ صاف کی اور پھر آپ بھی اندر تشریف لے گئے۔

ادھر صبح ہوتے ہی جب قریش کو علم ہوا کہ جس کے گھر سے نکلنے کی انتظار تھی وہ تو ہاتھ سے ہی نکل چکا ہے تو بہتیری دوڑ دھوپ کی مگر تمام

کارروائی لاحاصل ثابت ہوئی۔ ایک دفعہ غار ثور کے منہ پر بھی جا پہنچے۔ مگر قدرت خداوندی سے غار کے منہ پر جو درخت تھا اس پر آپ کے اندر تشریف لے جانے کے بعد مکڑی نے جالا تن دیا۔ اس لئے جب ایک شخص نے کہا کہ "ذرا اس غار کے اندر بھی دیکھ لو" تو دوسرا بولا "بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ اس تاریک اور خطرناک غار میں کون چھپ سکتا ہے؟"

روایت ہے کہ جب حضرت ابو بکر نے قریش کی آواز سنی تو نہایت آہستہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ "یا رسول اللہ قریش اتنے نزدیک ہیں کہ ان کے پاؤں نظر آرہے ہیں اور اگر وہ ذرا آگے ہو کر جھانکیں تو ہم کو دیکھ سکتے ہیں"۔ آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی "ہرگز کوئی فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے" آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تین راتیں غار ثور میں بسر کیں۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکرؓ کی ہدایت کے مطابق عبداللہ بن ابو بکر تو ہر روز رات کے وقت قریش کی نقل و حرکت سے اطلاع دیا کرتے تھے اور عامر بن فہیرہ خادم ابو بکرؓ بکریوں کا دودھ پہنچایا کرتے تھے پھر جب قریش کے تعاقب میں کمی ہو گئی تو تیسرے دن رات کے وقت آپ غار سے نکلے۔ یہ پیر کا دن اور چار یا یکم ربیع الاول ۱۴ نبوی کی تاریخ تھی۔

---

[1] یہ غار مکہ سے جنوب کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک ویران اور بنجر پہاڑی پر خاصی بلندی پر واقعہ ہے۔

ایک شخص عبداللہ بن اریقط کو معقول اجرت دیکر بطور راہنما مقرر کیا گیا۔ وہ حسب قرارداد حضرت ابوبکرؓ کی دونوں اونٹنیاں جو اس کے سپرد پہلے سے کر دی گئی تھیں لے کر پہنچ گیا۔ آنحضرت ﷺ ایک پر سوار ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ اور ان کا غلام دوسری پر سوار ہوئے۔ روانہ ہوتے وقت آپ نے آخری بار مکہ کی مقدس بستی کی طرف دیکھا اور حسرت بھرے انداز سے فرمایا :-

"اے مکہ کی بستی! تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے" [1] حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ سن کر فرمایا۔ "ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے اب یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔" [2]

سراقہ بن مالک کا واقعہ

قریش کے تعاقب سے ڈر کر یہ قافلہ اصل راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کے قریب قریب ہوتا ہوا یثرب کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ قریش نے یہ اعلان کیا ہوا تھا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔ اور اس گراں قدر انعام کے حصول کی خاطر متعدد اشخاص اپنے گھروں سے نکل چکے تھے اس لئے حضرت ابوبکرؓ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتے تھے۔ کہ ایسا نہ ہو کوئی دشمن بے خبری کی حالت میں ہمارے قریب پہنچ جائے۔ ایک دفعہ جو گرد و غبار اٹھا تو حضرت ابوبکرؓ نے

---

[1] مسند احمد و ترمذی [2] ترمذی و نسائی

گھبرا کر کہا "یارسول اللہ کوئی شخص ہمارے تعاقب میں آرہا ہے" آپ نے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ کوئی فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ تعاقب کرنے والا سراقہ بن مالک تھا۔ وہ خود بیان کرتا ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے قریب پہنچا تو میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر گیا۔ لیکن میں جلدی سے اٹھا اور اپنا ترکش نکال کر فال لی۔ فال میرے منشاء کے خلاف نکلی۔ مگر میں نے فال کی پرواہ نہ کی اور پھر سوار ہو کر آگے بڑھا اور اس دفعہ آنحضرت ﷺ کے اس قدر قریب پہنچ گیا تھا کہ آپ کے قرآن پڑھنے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ جب ذرا آگے بڑھا تو گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا۔ اس وقت میں نے پھر فال لی اور پھر وہی فال نکلی۔ جس پر میں نے اپنا ارادہ ترک کر کے آنحضرت ﷺ سے صلح کی درخواست کی اور آپ سے سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "اب تم واپس چلے جاؤ۔ لیکن ہمارے متعلق کسی سے ذکر نہ کرنا" مجھے چونکہ یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ اقبال پر ہے آپ ضرور ایک دن تمام ملک پر غلبہ حاصل کریں گے اس لئے میں نے عرض کی کہ مجھے ایک امن کی تحریر لکھ دیں۔ جس پر آپ نے عامر بن فہیرہ کو ارشاد فرمایا اور اس نے ایک چمڑے کے ٹکڑے پر مجھے امن کی تحریر لکھ دی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھی آگے روانہ ہو گئے۔ جب سراقہ واپس لوٹنے لگے تو آپ نے اسے فرمایا۔ "سراقہ اس وقت

تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے"۔ سراقہ نے حیران ہو کر پوچھا "کسریٰ بن ہرمز شہنشاہ ایران" آپ نے فرمایا "ہاں" سراقہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس طرح وقوع میں آئی کہ جب ان کے زمانہ میں ایران فتح ہوا۔ تو مال غنیمت میں کسریٰ کے سونے کے کنگن بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو ظاہری رنگ میں پورا کرنے کے لئے سراقہ کو وہ کنگن پہنائے [1]

اختتام سفر اور تکمیل ہجرت۔ ۱۴ نبوی

سراقہ کے واپس ہونے پر آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور متواتر آٹھ روز کے سفر کے بعد بارہ ربیع الاول ۱۴ نبوی مطابق ۲۷ جون ۶۲۲ء کو مدینہ کے پاس پہنچے۔ اسلامی سن کا شمار اسی واقعہ ہجرت سے شروع ہوتا ہے۔

ادھر اہل یثرب جنہیں آپ کی ہجرت کا علم ہو چکا تھا مگر تین دن تک غار ثور میں رہنے کا کسی کو علم نہیں تھا۔ روزانہ آپ کے استقبال کے لئے دور دور تک نکل آتے مگر اپنے گوہر مقصود کو نہ پا کر واپس لوٹ جاتے۔ اس دن بھی وہ کافی دیر انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ اچانک ایک یہودی کی نظر جو کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر کچھ دیکھ رہا تھا دور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سفید لباس پر

---

[1] اسد الغابہ ذکر سراقہ

پڑی۔ اور اس نے زور سے پکار کر کہا "اے اہل عرب! جس کا تم انتظار کر رہے ہو وہ یہ آتا ہے" اس مبارک خبر کو سن کر انصار کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور وہ فوراً ہتھیار سنبھال کر دوڑتے بھاگتے مدینہ سے باہر نکل آئے [۱]

مدینہ کے قریب پہنچ کر آنحضرت ﷺ کسی خیال کے ماتحت شہر میں داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ خاص شہر سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر مدینہ کی ایک بیرونی آبادی قبا میں تشریف لے گئے اور ایک مخلص انصاری کلثوم رضی اللہ عنہ بن الہدم کے مکان پر بطور مہمان ٹھہرے' یہاں پہنچے ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کی امانتیں وغیرہ ادا کر کے آپ کے پاس پہنچ گئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

قبا میں پہنچ کر سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ اپنے دست مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو چند ہی روز میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقدس ہاتھوں کی بدولت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد سے اس قدر محبت تھی کہ آپ قریباً ہر ہفتہ اس مسجد میں آکر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

---

[۱] عربوں میں ہتھیار لگا کر نکلنا اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ ہم مہمان کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کرنے کو تیار ہیں۔

مدینہ میں تشریف آوری

دس بارہ دن قبا میں قیام کے بعد جمعہ کے روز آپ شہر کو روانہ ہوئے۔ چونکہ راستہ میں جمعہ کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے آپ نے بنو سالم بن عوف کے محلّہ میں ٹھہر کر صحابہ کے سامنے خطبہ دیا اور جمعہ کی نماز پڑھائی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ پہلا باقاعدہ جمعہ تھا جو پڑھا گیا جمعہ سے فارغ ہو کر آپ کا قافلہ آگے بڑھا۔ جس مسلمان کے گھر کے پاس سے آپ گذرتے تھے وہ جوش محبت میں بڑھ بڑھ کر اپنا مال و جان حاضر کرنے کی التجا کرتا تھا۔ مسلمان عورتیں اور لڑکیاں خوشی کے جوش میں اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر گیت گاتی تھیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

یعنی آج ہم پر وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کے چاند نے طلوع کیا ہے اس لئے اب ہم پر ہمیشہ کے لئے خدا کا شکر واجب ہو گیا ہے غرض بچوں جوانوں اور بوڑھوں تمام نے اپنے اپنے رنگ میں خوشیاں منائیں اور ہر ایک اس بات کا خواہش مند تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ٹھہرانے کا فخر مجھے حاصل ہو۔ اس حالت کو دیکھ کر آپ نے فرمایا "میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ اس وقت مامور ہے" یعنی جہاں خدا کا منشا ہو گا وہاں یہ خود بیٹھ جائے گی۔ چنانچہ اونٹنی اس جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں بعد میں مسجد نبوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرات تعمیر ہوئے۔ آپ اونٹنی سے اتر

آئے اور دریافت فرمایا کہ یہاں سے قریب ترین کس مسلمان کا گھر ہے ابوایوبؓ انصاری نے فوراً آگے بڑھ کر عرض کیا "یارسول اللہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے۔ تشریف لے چلئے۔ چنانچہ آپ ان کے ساتھ اندر تشریف لے گئے اور قریباً سات ماہ تک یا ایک روایت کی رو سے ماہ صفر ۲ھ تک وہیں قیام فرمایا۔

تعمیر مسجد نبوی

مدینہ پہنچ کر پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ جس جگہ اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ اس جگہ کو دو مسلمان یتیم بچوں سے نوے روپے میں خرید کر وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو وہ بھی قبا کی مسجد کی طرح آنحضرت ﷺ اور صحابہ کے مقدس ہاتھوں سے تیار ہوئی چونکہ مسجد کا فرش کچا تھا اور بارش کے وقت چھت پر سے پانی ٹپکنے کی وجہ سے کیچڑ ہو جاتا تھا اس لئے اسے بعد میں کنکریوں کے فرش سے تبدیل کر دیا گیا۔

مسجد کے ساتھ ہی اپنی رہائش کے لئے حضور نے ایک رہائشی کمرہ بھی تیار کروایا۔ جس کا ایک دروازہ مسجد کی طرف بھی کھلتا تھا جس میں سے گذر کر آپ نماز وغیرہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

ابتدائے اذان

مکہ میں تو چونکہ علی الاعلان نماز باجماعت ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے نماز کے لئے مسلمانوں کو بلانے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ اب

مدینہ میں جو امن ملا تو نمازیوں کو بلانے کے لئے مختلف قسم کی تجاویز پیش ہوئیں۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ آخر حضرت عمرؓ کے مشورہ سے قرار پایا کہ ایک شخص اونچی آواز سے یہ اعلان کر دیا کرے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے دوست آ جائیں۔ چند دن تک تو اسی پر عمل ہوتا رہا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری کو موجودہ اذان کے الفاظ خواب میں سکھائے گئے اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی رات خواب میں یہی الفاظ سنے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ انہی الفاظ میں اذان دیا کریں۔

مدینہ کی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا مختصر سا حال

مدینہ کے حالات بیان کرنے سے قبل یہ بتانا ضروری ہے کہ پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے تو لوگ اسے مدینۃ الرسول کہہ کر پکارنے لگے اور پھر آہستہ آہستہ مدینہ ہی مشہور ہو گیا۔

مدینہ مکہ سے دو اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف واقع ہے۔ یہاں کی آبادی عموماً یہود اور مشرکین پر مشتمل تھی۔ مشرکین کے دو قبیلے تھے جو اوس اور خزرج کے نام سے مشہور تھے۔ یہ لوگ شہر میں رہتے تھے۔ مگر یہود جو بڑے بڑے تین قبائل بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ میں منقسم تھے۔ انہوں نے اپنی رہائش کے مناسب حال شہر سے باہر تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے تیار کئے

تھے۔ اوس اور خزرج کی آپس میں ہمیشہ خانہ جنگی رہتی تھی لیکن جوں جوں یہ قبائل مسلمان ہوتے گئے۔ پرانی عداوت اور کینہ اسلامی اخوت اور محبت سے تبدیل ہوتا گیا اور بالآخر بھائی بھائی بن گئے۔

مواخاۃ انصار و مہاجرین

مکہ کے مہاجرین [1] جو بالکل بے سروسامانی کے ساتھ مدینہ آگئے تھے ان کے ساتھ انصار نے حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر سلوک کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس رشتہ اخوت کو اور بھی مضبوط کرنے کے لئے یہ تجویز فرمائی کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا باقاعدہ بھائی بنا دیا چنانچہ طرفین نے اس رشتہ اخوت کو اس قدر اخلاص اور وفاداری سے نبھایا کہ آج کل کے حقیقی بھائی بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔

یہود کے ساتھ معاہدہ

ہجرت پر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی دور اندیش طبیعت نے مہاجرین۔ اوس۔ خزرج اور یہود کے عمائد کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مدینہ کی بڑھتی ہوئی آبادی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے باشندوں کی حفاظت اور باامن زندگی بسر

---

[1] مہاجرین جمع ہے مہاجر کی اور مہاجر اسے کہتے ہیں جو باہر سے اپنا وطن چھوڑ کر آئے اور انصار جمع ہے ناصر کی۔ اہل مدینہ کو انصار اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے مکہ اور دیگر جگہوں کے مہاجرین کی اپنی جان اور مال سے امداد کی تھی۔

کرنے کے لئے مختلف قبائل کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہونا چاہئے جس کی رو سے تمام قبائل ایک دوسرے کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ تمام کی رضا مندی سے ایک معاہدہ لکھا گیا۔ جس کی موٹی موٹی شرائط مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ مسلمان اور یہود آپس میں ہمدردی اور اخلاص سے رہیں گے۔

۲۔ دونوں قوموں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۳۔ اگر یہودیوں یا مسلمانوں کے خلاف کوئی قوم جنگ کرے گی تو فریقین کا فرض ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کی امداد کریں۔

۴۔ اگر مدینہ پر حملہ ہو تو سب مل کر اس کی مدافعت کریں گے۔

۵۔ قریش مکہ اور ان کے معاونین کو یہود کی طرف سے کسی قسم کی پناہ اور امداد نہیں دی جائے گی۔

۶۔ ہر قسم کے اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ ہر قوم کی شریعت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کریں گے۔

۷۔ اس معاہدہ کی رو سے کوئی ظالم یا آثم یا مفسد اس بات سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اسے سزا دی جائے یا اس سے انتقام لیا جائے۔[1]

اس معاہدہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات مضبوط ہو گئے اور مدینہ میں ایک قسم کی منظم حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

قریش مکہ کا خط مشرکین مدینہ کے نام

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹

قریش مکہ نے جب دیکھا کہ مدینہ والوں نے محمد (ﷺ) کی خوب آؤ بھگت کی ہے تو عبداللہ بن ابی بن سلول[۱] اور اس کے ساتھیوں کے نام ایک تہدیدی خط لکھا کہ تم لوگ محمد (ﷺ) کی پناہ سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ ہمارا تمہارے ساتھ شدید مقابلہ ہوگا۔ اور ہم تمہارے مردوں کو تہ تیغ کر کے تمہاری عورتوں پر قبضہ کرلیں گے[۲]۔ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کو تو ایک بہانہ چاہئے تھا۔ فوراً آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے مگر نہایت حکمت عملی سے آپ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔

قریش کا تمام قبائل عرب کو اکسانا

جب قریش کو اس منصوبے میں کامیابی نہ ہوئی تو قبائل عرب کو اکسانا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عرب میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف مخالفت کی ایک آگ بھڑک اٹھی۔ بے چارے مسلمان جو اس وقت تک صرف قریش کے خیال سے ہی سہمے بیٹھے تھے

---

[۱] یہ شخص قبیلہ خزرج کا ایک نامور اور ہوشیار رئیس تھا جب اوس اور خزرج جنگ بعاث میں لڑتے لڑتے کمزور ہو گئے تو انہوں نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار تسلیم کرلیا۔ مگر ہنوز عبداللہ کا سر تاج سرداری سے مزین نہ ہونے پایا تھا کہ اسلام کی آواز مدینہ تک پہنچ گئی اور حالات نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ نے گو جنگ بدر کے بعد بظاہر بیعت کر لی تھی۔ لیکن اندرونی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پکا دشمن تھا۔

[۲] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی خبر النضیر

اب تمام عرب کو اپنا دشمن پاکر بالکل ہی سراسیمہ ہو گئے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب یکجان ہو کر ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے تھے اور دن کو بھی ہتھیار لگائے رہتے تھے کہ کہیں کوئی اچانک حملہ نہ ہو جائے اور ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ دیکھئے ہم اس وقت تک زندہ بھی رہتے ہیں یا نہیں جب ہم رات کو امن کی نیند سوئیں گے اور سوائے خدا کے ہمیں اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا[1] بعض ایام تو مسلمانوں پر اس قدر گھبراہٹ اور پریشانی کے آئے کہ انہیں عموماً رات دن ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ بخاری اور مسلم دونوں میں یہ روایت آتی ہے کہ ان ایام میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کاش کوئی نیک صحابی میرا پہرہ دیتا تو میں ذرا سو لیتا۔ ادھر صحابہ کی فدائیت دیکھئے کہ جب حضور نے یہ الفاظ فرمائے تو فوراً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے ہتھیاروں کو سنبھالا جن کی آواز سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ آواز آئی یا رسول اللہ میں سعد بن ابی وقاص ہوں پہرہ دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں[2]

---

[1] حاکم بحوالہ لباب المنقول اسباب النزول زیر آیت وعد اللہ الذین آمنوا منکم

[2] بخاری کتاب التمنی و مسلم باب فضل سعد بن ابی وقاص۔

مسلمانوں کو دفاعی رنگ میں جنگ کرنے کی اجازت

اور غیر مسلم مورخین کے اعتراضات کے جوابات

اب ہم تاریخ کے اس حصہ میں داخل ہوتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ میں خود حصہ لینا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حصہ میں جو غیر مسلم مورخین کی طرف سے اسلامی تاریخ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ اس قابل نہیں کہ اسے بالکل خاموشی کے ساتھ نظرانداز کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے اسلامی جنگوں سے یہ نتیجہ نکالنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مسلمان تلوار ہاتھ میں لیتے تھے اور جو بھی غیر مسلم انہیں ملتا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیتا تو فبہا۔ ورنہ تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اور افسوس ہے کہ بعض سطحی نظر رکھنے والے ملانوں نے بھی اپنی نافہمی اور کوتاہ اندیشی کے باعث اس اعتراض کو تسلیم کر کے اسے تقویت پہنچائی ہے [1]۔

حالانکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جب سارا عرب چند مٹھی بھر خدائے واحد کے پرستاروں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہو گیا۔ تو ہجرت کے دوسرے سال ماہ صفر میں آنحضرت ﷺ کو بھی دفاعی رنگ

[1] "جہاد" کے متعلق اصولی بحث کے لئے ایک نہایت ہی قیمتی مضمون سیرت خاتم النبیین حصہ دوم ملاحظہ فرمائیں۔

میں جنگ کرنے کی اجازت مل گئی [1] اور چونکہ لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیر معمولی نصرت اور تائید کی۔ جو قبیلہ تلوار لے کر اسلام کو مٹانے کے لئے اٹھا۔ وہ خود تلوار سے مٹا دیا گیا۔ جو قوم مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے نکلی۔ وہ خود تباہی کے گھاٹ اتار دی گئی۔ اس لئے بعض متعصب مورخین اور بعض نادان ملانوں نے یہ تصور کر لیا کہ گویا اسلام کی اشاعت تلوار سے ہوئی ہے حالانکہ قرآن کریم اس خیال کو جھٹلاتا ہے۔ احادیث اسے غلط قرار دیتی ہیں۔ تاریخ اس کی مکذب ہے اور خود مسلمانوں کی کمزوری اور مظلومیت سراسر اس کے خلاف شہادت دیتی ہے اور یہ تمام شواہد اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مسلمانوں کو متواتر اور مسلسل ظلم و ستم کا تختہ مشق بنا کر دفاعی رنگ میں تلوار اٹھانے کے لئے مجبور کیا گیا۔

ایک اور جہت سے بھی اگر اس سوال پر غور کیا جائے تو یہ اعتراض بالکل بے حقیقت ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ماہ صفر ۲ ہجری سے لیکر صلح حدیبیہ ۶ ہجری تک اسلامی جنگوں میں زیادہ سے زیادہ تین ہزار تک اسلامی لشکر کی تعداد پہنچی۔ لیکن جونہی صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں کو جنگوں سے آزاد ہو کر آزادانہ طور پر تبلیغ اسلام کا موقعہ ملا تو اسلام کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ پونے دو سال کے قلیل عرصہ میں فتح مکہ کے موقعہ پر جو رمضان ۸ ہجری میں ہوا۔ اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار تک

---

[1] قرآن شریف سورہ الحج رکوع ۶

پہنچ گئی۔ صلح کے زمانہ میں یہ غیر معمولی ترقی اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی لڑائیاں جبری اشاعت کی غرض سے نہ تھیں بلکہ دراصل یہ جنگیں اسلام کی ترقی میں زبردست روک تھیں۔

ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض نادانوں کے اس اعتراض کا بھی جواب دے دیا جائے۔ جسے وہ اپنی نادانی اور عدم تدبر کے باعث اس طرح پیش کرتے ہیں کہ کسی کافر کو اسلام کے اظہار پر چھوڑ دینا بھی تو ایک رنگ کا جبر ہے۔ حالانکہ وجہ مخاصمت کے دور ہو جانے پر لڑائی سے ہاتھ کھینچ لینا حسن اخلاق اور احسان ہے نہ کہ جبرو ظلم۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کفار عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پر امن سے زندگی بسر کرنا بالکل ناممکن کر دیا تھا۔ بعض کو قتل کر دیا تھا اور بقیۃ السیف کو جلا وطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس لئے تمام وہ لوگ جو یا تو جرم قتل کے مرتکب تھے اور یا اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور موقعہ ملنے پر ہر وقت اس قبیح فعل کے ارتکاب کے لئے تیار رہتے تھے خدا تعالیٰ کی نظر میں اس قابل ہو چکے تھے کہ انہیں بطور قصاص قتل کر دیا جائے مگر ارحم الراحمین خدا کی طرف سے یہ رعایت دی گئی کہ اگر کوئی ان میں سے مسلمان ہو جائے تو گو وہ اپنے گذشتہ جرم کی وجہ سے قابل قتل ہی تھا مگر چونکہ اس کی طرف سے اب وہ خطرہ دور ہو گیا جس کی وجہ سے لڑائی ہو رہی تھی اس لئے اس کے خلاف لڑائی روک دی جاتی تھی

اور یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

"یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کفار سے جنگ کروں جو اسلام کے خلاف میدان میں نکلے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ مسلمان ہو جائیں" مگر غلطی سے بعض لوگوں نے اس حدیث کے یہ معنے سمجھ لئے ہیں کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام روئے زمین کے کافروں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔

اسلامی جنگوں کے اقسام

گو عام طور پر مسلمانوں کی جنگیں دفاعی اور خود حفاظتی کے طور پر تھیں لیکن بعض دفعہ قیام امن اور مذہبی آزادی کے لئے بھی مسلمانوں کو تلوار اٹھانا پڑتی تھی۔ پھر بعض جنگیں تعزیری رنگ بھی رکھتی تھیں یعنی ان کی غرض وغایت کسی قوم یا قبیلہ کو ان کے کسی خطرناک جرم یا ظلم وستم یا دغابازی کی سزا دینا تھی۔ بعض سیاسی بھی تھیں یعنی اگر کسی قوم یا قبیلہ کے ساتھ مسلمان یہ معاہدہ کرتے تھے کہ ہم دشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ تو کسی ایسی صورت کے پیش آجانے پر بھی مسلمانوں کو اس قبیلہ یا قوم کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔

مگر یہاں عموماً دفاع اور خود حفاظتی پر ہی قدرے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کیونکہ جنگوں کی ابتداء زیادہ تر اسی غرض کے ماتحت ہوئی تھی باقی اغراض

وقت پر بیان ہوتی رہیں گی۔

مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں کے باہر نکلنے کی غرض

یہ بتایا جاچکا ہے کہ کفار مکہ نے اب مسلمانوں کے خلاف سارے عرب کو اکسانا شروع کر دیا تھا اور تمام قبائل عرب نے اپنی اپنی جگہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اس بات کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر آپ ان خونخوار اور وحشی عربوں کو اس ظلم سے باز رکھنے کے لئے کوئی موثر قدم نہیں اٹھائیں گے تو یہ تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ میں بھی مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیں گے اس لئے آپ ؐ نے ارد گرد کے حالات کی خبر رکھنے کے لئے صحابہ کے چھوٹے چھوٹے دستوں کو باہر بھیجنا شروع کر دیا۔ تاکہ اول تو دشمنوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ مسلمان ان کے منصوبوں سے بے خبر نہیں۔ دوم بعض قبائل کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی جائے۔

ان مہموں کا یہ اثر ہوا کہ بعض قبائل کو تو معلوم ہو گیا کہ مسلمان اتنے کمزور نہیں جتنے انہوں نے سمجھے ہوئے ہیں اور بعض نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ اور اس طرح ایک حد تک مسلمانوں نے مدینہ کے اطراف میں رسوخ پیدا کر لیا۔

کرز بن جابر کا حملہ

مگر باوجود صحابہ کی اس قدر حزم و احتیاط کے قریش نے اپنے لئے شرارت کا رستہ پیدا کر ہی لیا۔ اور وہ اس طرح کہ مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے قریش کے ایک دستہ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر اچانک حملہ کر دیا اور اونٹ وغیرہ لیکر چلتا بنا۔ آنحضرت ﷺ نے کافی دور تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔

سریہ عبد اللہ بن جحش

قریش کی اس قدر جرأت کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مکہ میں مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لئے کوئی منظم لشکر تیار کیا جا رہا ہو۔ اس لئے آپ نے عبد اللہ بن جحش کے زیر کمان آٹھ مہاجرین کی ایک پارٹی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے مکہ کی طرف روانہ کی لیکن مصلحتاً انہیں یہ نہیں بتایا کہ تمہیں کہاں اور کس غرض سے بھیجا جا رہا ہے۔ بلکہ عبد اللہ بن جحش امیر قافلہ کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیکر اتنا فرمایا کہ اس خط میں تمہارے لئے ہدایات درج ہیں اسے دو دن کے سفر کے بعد کھولنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔ چنانچہ جب وہ خط اپنے وقت پر کھولا گیا تو اس پر یہ ہدایات درج تھیں کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں جاؤ

اور وہاں جا کر قریش کے حالات سے آگاہی حاصل کرو اور پھر ہمیں یہاں آکر اطلاع دو۔ [1]

لیکن ان کو وہاں پہنچے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک قریش کا ایک قافلہ بھی آن پہنچا جو طائف سے مکہ کی طرف جا رہا تھا اب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ مسلمانوں نے سوچا کہ گو ہمارے آنے کا مقصد خفیہ خبر رسانی ہے لیکن اب قریش نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر یہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو خبر رسانی کا راز مخفی نہیں رہے گا۔

علاوہ ازیں ایک خطرہ مسلمانوں کو یہ بھی تھا کہ بعض کے خیال میں شہر حرام رجب کا آخری دن تھا جس میں عرب کے دستور کے مطابق لڑائی منع تھی لیکن بعض سمجھتے تھے کہ رجب گذر چکا ہے اور شعبان شروع ہے مگر بہر حال مسلمانوں نے فیصلہ کر کے قریش پر حملہ کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کا ایک آدمی عمرو بن الحضرمی مارا گیا اور دو قید ہو گئے لیکن چوتھا بچ کر نکل گیا اور اس طرح یہ تجویز بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا "میں نے تمہیں شہر حرام میں لڑنے کی اجازت نہیں دی ہوئی" [2] اور صحابہ پر بھی سخت ناگوار گزرا۔ اور انہوں نے کہا تم نے وہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا تھا [3]

قریش مکہ تو مدت سے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ انہیں اہل مکہ کی آتش غضب کو بھڑکانے کے لئے ایک اور موقعہ ہاتھ آگیا اور بڑے

---

[1] طبری و سیرت ابن ہشام [2] طبری و سیرت بن ہشام [3] طبری

زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ چنانچہ جنگ بدر جس کا ذکر آگے آئے گا۔ زیادہ تر قریش کی اسی تیاری اور جوش و خروش کا نتیجہ تھی۔

تحویل قبلہ۔ شعبان ۲ ہجری

گو مسلمانوں کا لحہ لحہ جنگ و جدال میں سے گذر رہا تھا مگر تکمیل و تاسیس مذہب کا کام نہیں رک سکتا تھا۔ پنجگانہ نمازیں تو مکہ میں ہی فرض ہو چکی تھیں مگر ابھی تک آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ سلسلہ ہجرت کے سولہ سترہ ماہ بعد تک برابر جاری رہا لیکن اب آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق خدا کے سب سے پہلے گھر اور ابوالانبیاء خلیل اللہ کی یادگار خانہ کعبہ کو قبلہ قرار [1] دینے کا حکم آگیا اور آنحضرت ﷺ نے اس حکم کی تعمیل میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا۔

اس سال رمضان کے روزے فرض کئے گئے [2] اور عید الفطر بھی اس سال ہی شروع [3] ہوئی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رمضان کے روزوں کے بعد شوال کی پہلی تاریخ کو مسلمان عید منایا کریں۔

---

[1] قرآن شریف سورہ بقرہ ع ۱۷ [2] رمضان کے روزوں کے متعلق ایک عمدہ نوٹ ملاحظہ فرمائیے سیرۃ خاتم النبیین حصہ دوم ص ۱۱۱ [3] عید الفطر کے لئے دیکھئے سیرت خاتم النبیین حصہ سوم ص ۱۱۴

جنگ بدر اور رؤساء قریش کی تباہی۔ رمضان ۲ ہجری

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اہل مکہ خصوصاً رؤسا قریش اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ کوئی موقعہ ملے اور ہم مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور اس سلسلہ میں وہ پہلا قدم مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ کرنے سے اٹھا بھی چکے تھے اب عمرو بن حضرمی کا قتل قریش مکہ کو ابھارنے کے لئے ایک زبردست بہانہ مل گیا۔ چنانچہ ابو جہل وغیرہ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کے خلاف خطرناک طور پر اشتعال پیدا کر دیا۔

اس اثناء میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ ابو سفیان کی سرداری میں شام کی طرف سے مکہ کو واپس آرہا ہے چونکہ قافلہ کا روکنا قریش کی سرگرمیوں کو کمزور کرنے کا ایک بہترین ذریعہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو خبر رسانی کے لئے روانہ فرمایا۔ مگر ابو سفیان کو بھی اتفاقاً آنحضرت ﷺ کے اس ارادہ کی اطلاع مل گئی اور اس نے فوراً ضمضم نامی ایک سوار کو مکہ روانہ کر دیا کہ وہ قریش کا ایک لشکر قافلہ کی حفاظت کے لئے نکال لائے۔ قاصد وہاں پہنچا ہی تھا کہ اس نے عرب کے دستور کے مطابق وحشت زدہ حالت بنا کر بڑے زور سے چلانا شروع کر دیا۔ اس کی اس چیخ و پکار کو سن کر لوگ گھبرا کر کعبہ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ رؤسا قریش جو اس موقعہ کی تاڑ میں تھے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ابولہب کے (کہ

وہ اپنی بہن عاتکہ کے ایک خطرناک خواب کی وجہ سے ڈر گیا تھا) باقی تمام جانباز اور آزمودہ کار قریش کا ایک عظیم الشان لشکر جو ایک ہزار کی تعداد پر مشتمل تھا مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

مکہ سے نکلنے سے قبل قریش نے کعبہ میں جا کر دعا کی۔ کہ "اے خدا ہم دونوں فریقوں میں سے جو فریق حق پر قائم ہے اور تیری نظروں میں زیادہ شریف اور افضل ہے تو اس کی نصرت فرما۔ اور دوسرے کو ذلیل و رسوا کر" [1]

اس کے بعد قریش کا لشکر مع گانے بجانے کے آلات اور غیرت دلانے والی عورتوں کے مکہ سے بڑے کروفر سے روانہ ہوا۔ جب یہ لشکر مکہ اور بدر کے درمیان حجفہ کے مقام پر پہنچا تو ابو سفیان کے ایک قاصد نے آکر اطلاع دی کہ قافلہ خطرہ کی جگہ سے بچ کر آگیا ہے اب لشکر کو آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ مگر ابو جہل اور اس کی پارٹی تو اس موقعہ کو غنیمت سمجھتی تھی۔ انہوں نے سختی سے کہا کہ خدا کی قسم ہم بدر [2] تک ضرور جائیں گے اور وہاں جا کر تین دن تک جشن منائیں گے تاکہ ہمیشہ کے لئے ملک میں ہمارا رعب بیٹھ جاوے اور لوگ ہم سے ڈرنے

---

[1] خمیس جلد اصفحہ ۴۱۷

[2] بدر ایک وادی کا نام ہے جس میں چند چشمے ہیں اور جو مکہ سے آٹھ نو یوم کی مسافت پر اور مدینہ سے چار پانچ یوم کی مسافت پر واقع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ اگر ہم بدر تک پہنچ گئے تو چونکہ میلہ کی وجہ سے لوگ مختلف اطراف سے جمع ہوں گے ہمارے لشکر جرار کو دیکھ کر سارا عرب مرعوب ہو جائے گا۔

لگ جائیں۔ چنانچہ یہ جرار لشکر جس میں سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑا تھا بڑے جاہ و جلال سے آگے بڑھا اور مکہ سے نکلنے کے نویں دن بدر کی وادی کے ورلے کنارے پر جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کی دیکھ بھال کے لئے جو دو صحابی روانہ کئے تھے۔ ابھی وہ واپس نہیں آئے تھے کہ آپ کو کسی مخفی ذریعہ سے اطلاع ملی کہ قریش کا ایک جرار لشکر آرہا ہے اس وقت مسلمانوں کی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے نیز جنگی تدابیر کے عام اصول کے مطابق آپ نے اس خبر کو مشہور نہیں ہونے دیا۔ تاکہ عام مسلمانوں میں بددلی نہ پیدا ہو۔ بلکہ ایک ہوشیار اور بیدار مغز جرنیل کی طرح ایسے رنگ میں تحریک فرمائی کہ بہت سے صحابہ باوجود یہ خیال رکھنے کے کہ یہ مہم قافلہ کی روک تھام کے لئے اختیار کی جارہی ہے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حتیٰ کہ انصار بھی جو حسب معاہدہ عقبہ ثانیہ اس بات کے پابند نہیں تھے کہ ساتھ چلیں وہ بھی آپ کے ہمراہ جانے کے لئے مستعد ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بڑی جانثارانہ تقریریں کیں مگر آپؐ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور صحابہؓ کی طرف التفات کر کے پھر پوچھا کہ اچھا پھر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے رؤساء انصار سمجھ گئے کہ روئے سخن ہماری طرف ہے۔ چنانچہ سعد بن عبادہ رئیس خزرج نے کہا یا رسول اللہ ہم انصار ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ بعض جلیل القدر صحابہ جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لشکر کا علم ہو چکا تھا۔ اپنی کمزوری اور

بے سروسامانی کی وجہ سے فکر مند بھی تھے۔ قرآن کریم میں اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ [1] یعنی مدینہ سے آنحضرت ﷺ کے نکلنے کو مومنوں کا ایک فریق (اپنی ظاہری طاقت کا خیال کرتے ہوئے) پسند نہیں کرتا تھا اور اسے ایک مشکل اور نازک کام سمجھتا تھا۔" انہیں کے لئے آتا ہے مگر آقا کی منشاء کے مطابق لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

مدینہ سے تھوڑی دور نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جائزہ لیا۔ بعض کم عمر بچے بھی تھے۔ جنہیں آپ نے واپس جانے کا حکم دے دیا بچوں کی واپسی کا حکم سن کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا لڑکا عمیر رونے لگا۔ آپؐ نے اس کے غیر معمولی جوش کو دیکھ کر اسے اجازت دے دی۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں سے صرف ساٹھ مہاجرین تھے۔ صحابہ کی بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ سارے لشکر میں صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے جن پر صحابہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ سردار دو جہاںؐ کا بھی یہی حال تھا۔ آپؐ کے ساتھیوں نے جب اصرار کیا کہ آپ پیدل نہ چلیں تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "نہ تو میں تم سے چلنے میں کمزور ہوں اور نہ ہی مجھے ثواب کی کم خواہش ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنی باری میں حصہ نہ لوں" [2]

اس جگہ اس بات کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ طریق تھا۔ کہ جب آپ کسی سفر کے لئے باہر تشریف لے جاتے تو

---

[1] قرآن شریف سورہ انفال [2] ابن سعد

پیچھے اپنی غیر حاضری میں کسی شخص کو امیر مقرر فرما جاتے۔ چنانچہ اس دفعہ بھی پہلے تو آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم کو امیر مقرر فرمایا مگر چونکہ عبداللہ آنکھوں سے معذور تھے۔ اور مدینہ پر حملہ ہونے کا بھی خطرہ تھا اس لئے ۳۶ میل کے فاصلہ پر روحا کے مقام پر آپ نے ابو حبانہ بن منذر کو امیر مقرر فرما کر واپس بھیج دیا۔ ہاں امام الصلوۃ عبداللہ بن ام مکتوم ہی کو رہنے دیا۔

اسی مقام سے آپ نے دو صحابیوں کو دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے بدر کی طرف دوڑایا اور ابھی بدر سے ایک منزل باقی تھی۔ کہ لشکر کے قریب آپہنچنے کی اطلاع موصول ہوئی۔ اب چونکہ اخفاء کا وقت گذر چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کر کے لشکر کی آمد کی اطلاع دی اور پھر مشورہ پوچھا۔ کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے بعض صحابہ نے اپنی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ بہتر تو یہی تھا کہ مقابلہ قافلے ہی سے ہوتا۔ لیکن اکابر صحابہؓ نے بڑی پرجوش تقریریں کیں چنانچہ مقداد بن اسود نے کہا "یا رسول اللہ ہم اصحاب موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ جاتو اور تیرا رب جا کر لڑو۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپؐ کے دائیں لڑیں گے۔ بائیں لڑیں گے۔ آگے لڑیں گے اور پیچھے لڑیں گے اور یا رسول اللہ آپ تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گذرے [1]

---

[1] بخاری کتاب المغازی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تقریر سے بڑی خوشی ہوئی مگر آپ انصار کا ارادہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے پھر فرمایا۔ "دوست مشورہ دیں کہ ان کی کیا رائے ہے؟ آپ کے یہ الفاظ سن کر حضرت سعد بن معاذ رئیس اوس فوراً سمجھ گئے۔ اور عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ شاید آپ ہماری رائے پوچھتے ہیں۔ خدا کی قسم جب ہم آپ کو سچا سمجھ کر آپ پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے تو پھر اب آپ جہاں چاہیں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ کہ اگر سامنے سمندر ہو اور آپ ہمیں فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ۔ تو ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا اور آپ انشاء اللہ ہمیں لڑائی میں صابر پائیں گے اور ہم سے وہ بات دیکھیں گے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی ہو"۔

آپ یہ تقریر سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا "پھر اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور خوش ہو۔ کیونکہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ کفار کے ان دو گروہوں (یعنی لشکر اور قافلہ) میں سے کسی ایک گروہ پر وہ ہم کو ضرور غلبہ دے گا۔ اور خدا کی قسم میں گویا وہ جگہیں دیکھ رہا ہوں جہاں دشمن کے آدمی قتل ہو ہو کر گریں گے [1]

اس کے بعد آپ تیزی سے بدر کی طرف بڑھنا شروع ہوئے اور جب قریب پہنچے تو حضرت علیؓ اور

---

[1] ابن ہشام و ابن سعد

حضرت زبیرؓ بن العوام کو حالات معلوم کرنے کے لئے آگے روانہ فرمایا۔ جب یہ وادی بدر میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چند آدمی ایک چشمہ سے پانی لے رہے ہیں۔ انہوں نے ان پر حملہ کر کے ایک حبشی کو گرفتار کر لیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ جس سے دریافت کرنے پر لشکر قریش کے تمام حالات تفصیل سے معلوم ہو گئے اور جب اس نے یہ بتایا کہ عتبہ۔ شیبہ۔ ابو جہل۔ ابوالبختری۔ عقبہ بن ابی معیط۔ حکیم بن حزام۔ نضر بن حارث۔ امیہ بن خلف۔ سہیل بن عمرو۔ نوفل بن خویلد وغیرہ وغیرہ سب ساتھ ہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ھٰذِہٖ مَکَّۃُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَیْکُمْ اَفَلَاذَ کَبِدِھَا یعنی "لو مکہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر کے گوشے نکال کر رکھ دیئے ہیں"۔

جب کسی قوم کے برے دن آتے ہیں اور خدا تعالیٰ اسے صفحہ ہستی سے نابود کرنا چاہتا ہے تو اس کی تدبیر بھی اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ قریش کا لشکر وادی بدر میں مسلمانوں کے لشکر سے پہلے پہنچ چکا تھا اور اس نے اپنے لئے ایسی جگہ تلاش کر لی تھی جہاں پانی اور گھاس وغیرہ افراط سے مل سکتا تھا اور مسلمان بے چارے چونکہ بعد میں پہنچے تھے اس لئے انہیں مجبوراً ایسی جگہ ڈیرا لگانا پڑا۔ جہاں نہ تو پانی بافراط مل سکتا تھا اور نہ ہی گھاس وغیرہ کا کوئی معقول انتظام تھا بلکہ اس کی بجائے ایک ریت کے ٹیلے پر اترنا پڑا اب خدا تعالیٰ کا فضل ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد بارش ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان تو حوض بنا بنا کر پانی

جمع کر لیتے ہیں اور ریت کے جمنے کی وجہ سے پاؤں بھی زمین میں نہیں دھستے۔ لیکن قریش کا یہ حال ہوتا ہے کہ اول تو ڈھلان ہونے کی وجہ سے ان کی طرف کا پانی گدلا ہو جاتا ہے۔ دوم کیچڑ ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں اور گھوڑوں تمام کے پاؤں پھسلنے کا سامان مہیا ہو جاتا ہے۔ سوم۔ جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔ لڑائی شروع ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹھی بھر کنکر پھینکنے کے ساتھ ہی زور کی آندھی چلنے لگتی ہے اور پھر اس کا رخ بھی مسلمانوں کی طرف سے کفار کی طرف ہوتا ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو وہ مسلمانوں کے تیروں کے لئے مد ہوتی ہے۔ دوم کفار کی آنکھوں میں کنکر ڈال کر انہیں دیکھنے اور تیر اندازی کرنے سے روکتی ہے۔

اب رمضان کی سترہ تاریخ اور جمعہ کا مبارک دن تھا۔ طرفین کے لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ اچانک دو صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ابھی ابھی مکہ سے آرہے ہیں۔ قریش ہمیں آنے نہیں دیتے تھے مگر ہمارے زور دینے پر انہوں نے زبردستی ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ ہو کر ان کے خلاف جنگ نہیں کریں گے"۔ گو یہ عہد بالکل قابل پذیرائی نہ تھا۔ مگر آپ نے فرمایا تو پھر تم جاؤ اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی کی نصرت پر ہمارا بھروسہ ہے [1]

اب صفوں کی درستی شروع ہوئی اور لشکر کفار میدان جنگ کی طرف

---

[1] مسلم کتاب الجہاد باب الوفا بالعہد

بڑھنا شروع ہوا۔ اور یہ وہ موقعہ تھا جبکہ کفار کو مسلمان اپنی اصل تعداد سے کم نظر آتے تھے [۱] لیکن جب لشکر اسلام کی صف بندی ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے کھڑے ہونے کی ترتیب ایسی اعلیٰ رکھی کہ قریش مسلمانوں کی جمعیت کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ اس وقت قریش کو مسلمان اپنی اصل تعداد سے دگنے نظر آتے تھے اور مسلمانوں کو قریش ان کی اصل تعداد سے کم نظر آتے تھے [۲]۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلامی لشکر کا دل بڑھ گیا۔

اسی اثناء میں قریش کا لشکر کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ انہوں نے عمیر بن وہب کو اسلامی لشکر کا صحیح اندازہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ عمیر پر مسلمانوں کے عدیم النظیر عزم اور جلال کو دیکھ کر کچھ ایسا رعب طاری ہوا کہ اس نے لوٹتے ہی کہا کہ "مجھے کوئی مخفی کمک وغیرہ تو نظر نہیں آتی۔ لیکن اے معشر قریش! میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں گویا اونٹنیوں کے کجاووں نے اپنے اوپر آدمیوں کو نہیں بلکہ موتوں کو اٹھایا ہوا ہے [۳]۔ عمیر کے یہ الفاظ سن کر قریش پر اور بھی گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ متذبذب نظر آنے لگے۔ لیکن فرعون امت ابوجہل بھلا کب باز آنے والا تھا۔ اس نے فوراً موقعہ کی نزاکت کو محسوس کیا اور عمرو بن حضرمی کے بھائی عامر بن حضرمی کو بلا کر کہنے لگا کہ "عامر! قریش کے ارادوں سے معلوم ہوتا ہے۔

---

[۱] ابن ہشام و طبری [۲] سورہ آل عمران و انفال [۳] طبری و ابن سعد و ابن ہشام

کہ تمہارے بھائی کا بدلہ ہاتھ سے جاتا نظر آتا ہے"۔ یہ سن کر عامر کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اس نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ دیئے اور زور زور سے "واعمراہ۔ واعمراہ" ہائے افسوس میرا بھائی بغیر انتقام کے رہا جاتا ہے" کہہ کر چلانا شروع کر دیا۔ اس کے اس درد انگیز واویلا نے قریش کے سینوں میں عداوت و انتقام کے شعلے بلند کر دیئے اور وہ فوراً لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے چنانچہ لڑائی کے قدیم دستور کے مطابق عتبہ۔ شیبہ اور ولید نے آگے بڑھ کر انفرادی لڑائی کے لئے مبارز طلبی کی۔ ادھر سے انصار کے چند نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھنے لگے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا اور فرمایا "حمزہ تم اٹھو۔ علی تم اٹھو۔ عبیدہ تم اٹھو" گو طرفین کے نوجوان ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ لیکن پھر بھی عرب کے دستور کے مطابق پہلے روشناسی ہوئی۔ پھر عبیدہؓ بن مطلب ولیدؔ کے مقابل ہو گئے۔ اور حمزہؓ عتبہ کے اور علیؓ شیبہ کے[1]۔ حمزہؓ اور علیؓ نے تو ایک دو واروں میں ہی حریفوں کا کام تمام کر دیا۔ لیکن عبیدہ اور ولید دونوں ایک دوسرے کی ضربوں سے زخمی ہو کر گر پڑے۔ عبیدہ کی اس حالت کو دیکھ کر حمزہؓ اور علیؓ فوراً آگے بڑھے اور ولید کا خاتمہ کر کے عبیدہ کو اٹھا کر کیمپ میں لے آئے مگر حضرت عبیدہؓ اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔

اس انفرادی مقابلہ کے بعد مسلمانوں کو کچھ نصائح فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سائبان میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی آپ

---

[1] ابوداؤد

کے ساتھ تھے ابھی آپ کو سائبان میں گئے ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ لشکر کفار نے عام دھاوا بول دیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا کی کہ "اے میرے خدا اپنے وعدوں کو پورا کر۔ اے میرے مالک اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت آج اس میدان کارزار میں ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تیری پرستش کرنے والا کوئی نہیں رہے گا" [1]

دوسری طرف ابوجہل نے یوں دعا کی کہ "اے خدا وہ فریق جس نے رشتوں کو توڑ رکھا ہے اور دین میں ایک بدعت پیدا کی ہے تو آج اسے اس میدان میں تباہ و برباد کر" اور قرآن مجید کے بیان کے مطابق ابوجہل نے اس موقعہ پر یا اس سے قبل یہ دعا بھی کی تھی کہ اے ہمارے رب اگر محمد کا لایا ہوا دین سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا۔ یا کسی اور دردناک عذاب سے ہمیں تباہ و برباد کر"۔

اب لڑائی کا بازار خوب گرم تھا۔ مہاجرین نے دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ انصار کے جوش کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ عین گھمسان کے رن میں جب میں نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ انصار کے دو نوعمر نوجوان میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ انہیں دیکھ کر میرا دل کچھ بیٹھ سا گیا۔ کیونکہ ایسے معرکوں میں آس پاس کے ساتھیوں پر لڑائی کا بہت انحصار ہوتا تھا مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک نوجوان نے

---

[1] بخاری و مسلم

آہستہ سے مجھے کہنی مار کر کہا کہ چچا وہ ابو جہل کہاں ہے جو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا کرتا تھا۔ میں نے خدا سے عہد کیا ہوا ہے کہ یا تو اسے قتل کروں گا یا خود اس کوشش میں مارا جاؤں گا۔ عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ابھی میں اس کا جواب ہی دے رہا تھا کہ دوسرے نے بھی آہستہ سے یہی سوال کر دیا ان کی یہ جرات دیکھ کر میں ششدر سا رہ گیا۔ مگر میں نے اشارہ کر کے بتا دیا کہ وہ ابو جہل ہے۔ میرا اشارہ کرنا تھا۔ کہ وہ دونوں لڑکے باز کی طرح جھپٹے اور دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آن واحد میں ابو جہل پر ٹوٹ پڑے اور اس تیزی سے وار کیا کہ ابو جہل اپنے ساتھیوں کے دیکھتے دیکھتے زمین پر جا گرا [1]

غرض کیا مہاجر اور کیا انصار پورے جوش و خروش اور اخلاص کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر دشمن کی کثرت اور اس کے ساز و سامان کی زیادتی کچھ پیش نہ جانے دیتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعا کر رہے تھے اور آپ کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا۔ مگر آخر ایک لمبے عرصہ کے بعد آپ سجدہ سے اٹھے اور کافی عرصہ پہلے کی نازل شدہ خدائی بشارت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی کفار کی فوج کو شکست ہوگی اور دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے" کو جواب نئے سرے سے آپ کی زبان پر جاری کی گئی تھی۔ اونچی آواز سے سناتے ہوئے سائبان سے باہر نکل آئے۔ باہر آکر آپ نے پہلے تو اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور پھر ریت اور کنکر کی ایک مٹھی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی [2]

---

[1] بخاری کتاب المغازی [2] سورہ انفال

اور بڑے جوش سے فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْه یعنی "دشمنوں کے منہ بگڑ گئے" اور ساتھ ہی مسلمانوں کو زور سے پکار کر فرمایا "یکدم حملہ کر دو"[1] جانباز مسلمانوں کے کانوں میں اپنے محبوب کی آواز کا پڑنا تھا کہ انہوں نے تکبیر کا نعرہ بلند کر کے یکدم ہلہ بول دیا۔ دوسری طرف آپ کا مٹھی بھر کر پھینکنا تھا کہ ایسے زور کی آندھی چلی کہ کفار کی آنکھیں منہ اور ناک تمام کے تمام ریت اور کنکروں سے بھر گئے[2] آپ نے فرمایا یہ خدائی فرشتوں کی فوج ہے جو ہماری نصرت کو آئی ہے۔ مسلمانوں کے اس فوری دھاوے اور آندھی کے اچانک جھونکے کے نتیجہ میں قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور آن کی آن میں میدان صاف ہو گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے ستر قیدی پکڑے اور جب مقتولین کی پڑتال کی تو معلوم ہوا کہ یہی تعداد قریش کے مقتولین کی بھی تھی۔ جن میں قریباً قریباً تمام رؤساء قریش شامل تھے۔ البتہ ابو جہل کی لاش نظروں سے اوجھل تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عبد اللہ بن مسعود تحقیقات کے لئے گئے۔ تھوڑی دیر تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ایک جگہ پڑا جان توڑ رہا ہے۔ عبد اللہ نے پوچھا کیا تو ہی ابو جہل ہے؟ اس نے کہا هَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ۔ کیا تم نے مجھ سے بھی کوئی بڑا شخص قتل کیا ہے۔ پھر کہنے لگا۔ لَوْغَيْرُ اَكَّارٍ قَتَلَنِىْ[3] کاش میں کسی کسان کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا؟[4]

---

[1] طبری و زرقانی [2] طبری [3] بخاری [4] قریش زراعت کو حقیر پیشہ سمجھتے تھے اور اہل مدینہ عموماً زراعت کا کام کرتے تھے۔

پھر اس نے پوچھا میدان کس کے ہاتھ رہا ہے؟ عبد اللہ نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول کے ہاتھ۔ یہ کہہ کر عبد اللہ بن مسعود جب اس کا سر کاٹنے لگا۔ تو ابو جہل نے کہا کہ میں قوم کا سردار ہوں۔ میرا سر اس طریق سے کاٹنا کہ گردن دوسروں کی نسبت لمبی رہے اور یہ سمجھا جائے کہ یہ سردار کا سر ہے۔ عبد اللہ بن مسعود نے اس کا سر کاٹا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قریش کے چوبیس رؤساء کو تو ایک گڑھے میں اکٹھا کر کے دفنا دیا گیا۔ اور باقی تمام کو اپنی اپنی جگہ پر ہی دفن کر دیا گیا۔

مسلمان شہداء کی دیکھ بھال سے معلوم ہوا کہ صرف چھ مہاجرین اور آٹھ انصار ہیں لیکن یہ نقصان فتح کی خوشی کو مکدر نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان خوشی خوشی مال غنیمت کو جمع کر کے واپس مدینہ تشریف لائے۔

آپ کے حکم کے ماتحت انصار اور مہاجرین نے قیدیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا۔ اس کے متعلق سر ولیم میور لکھتا ہے۔

> "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایات کے ماتحت انصار و مہاجرین نے کفار کے قیدیوں کے ساتھ بڑی محبت اور مہربانی کا سلوک کیا چنانچہ بعض قیدیوں کی اپنی شہادت تاریخ میں ان الفاظ میں موجود ہے کہ "خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا۔ وہ ہم کو سوار کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے۔ ہم کو گندم کی پکی ہوئی

روٹی دیتے تھے اور آپ صرف کھجوریں کھا کر پڑ رہتے تھے"۔
اس لئے ہم کو یہ معلوم کر کے تعجب نہ کرنا چاہئے کہ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر کے نیچے مسلمان ہو گئے اور ایسے لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا گیا.... جو قیدی اسلام نہیں لائے ان پر بھی اس نیک سلوک کا بہت اچھا اثر تھا۔"

گو تمام کے تمام قیدی قواعد جنگ کی رو سے واجب القتل تھے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر شخص کے مناسب حال فدیہ ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک مقرر کر دیا جائے۔ جسے وہ ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے۔ ان قیدیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے نہایت ہی ہمدرد اور حقیقی چچا عباس اور آپ کے داماد ابو العاص بھی تھے۔ عباس کے متعلق انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عباس ہمارا بھانجا ہے ہم انہیں بغیر فدیہ کے چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ عباس کو فدیہ ادا کرنا چاہئے۔ عباس کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں ایک ستون کے ساتھ بندھے ہوئے تھے تو ان کے کراہنے کی آواز سے آنحضرت ﷺ کو نیند نہیں آتی تھی۔ انصار کو معلوم ہوا تو انہوں نے عباس کے بندھن ڈھیلے کر دیئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اگر ڈھیلے کرنے ہیں

توسب کے ڈھیلے کرو۔ چنانچہ تمام قیدیوں کے بندھن ڈھیلے کر دیئے گئے۔ ابو العاص کے فدیہ میں ان کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادی زینبؓ نے جو ابھی تک مکہ میں تھیں کچھ چیزیں بھیجیں جن میں حضرت خدیجہؓ کا جہیز میں دیا ہوا ہار بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے جب اس ہار کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آپ نے چشم پر آب ہو کر فرمایا۔ اگر تم پسند کرو تو زینبؓ کا مال اسے واپس کردو۔ صحابہ کو اشارہ کی دیر تھی۔ زینبؓ کا مال فوراً واپس کر دیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نقد فدیہ کے عوض میں ابو العاص سے یہ شرط کی کہ وہ مکہ جا کر زینب کو مدینہ بھجوا دیں اور اس طرح ایک مومن کی روح دار کفر سے نجات پا گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد ابو العاص بھی مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے اور پھر خاوند بیوی اکٹھے ہو گئے۔

حضرت زینبؓ کی ہجرت کے متعلق یہ روایت ہے کہ جب وہ مدینہ روانہ ہونے کے لئے نکلیں تو مکہ کے چند قریش نے انہیں واپس لے جانا چاہا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو ایک بدبخت نے نہایت وحشیانہ طریق پر ان پر ایک نیزے کا وار کیا۔ جس کے ڈر اور صدمہ کے نتیجہ میں انہیں اسقاط ہو گیا [1] اور بالآخر اسی ضعف اور کمزوری کی وجہ سے

---

[1] ابن ہشام

بے وقت انتقال کر گئیں [1]

جو قیدی لکھنا جانتے تھے۔ ان سے یہ فدیہ کافی سمجھا گیا کہ وہ دس دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔ چار ہزار درہم کی بجائے لکھنا سکھا دینے کو کافی سمجھنا ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں علم کی کتنی قدر تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس میں ان لوگوں پر ایک بہت بڑا احسان بھی تھا۔ کیونکہ قید کی حالت میں ان سے جو خدمت بھی لی جاتی وہ قانوناً اس کی بابت کسی معاوضہ کے حقدار نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن انہیں اس کے عوض میں آزادی دے دی گئی جو سراسر احسان تھا۔

اس جنگ میں جو کامیابی مسلمانوں کو ہوئی اس نے قریش کی ہمت کو توڑ دیا۔ اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہودی اور اردگرد کے قبائل بھی اسلام کی طاقت کو محسوس کرنے لگے اور مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا۔

مدینہ کے مشرکین پر یہ اثر ہوا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خارق عادت اور عظیم الشان فتح کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جو قبیلہ خزرج کا ایک ممتاز اور نامور رئیس تھا۔ بظاہر مسلمان ہو گیا۔ لیکن دل سے مرتے دم تک مخالف رہا [2]

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ [2] اس موقعہ پر "مسئلہ غلامی" کے متعلق مفصل بحث کے لئے دیکھئے سیرت خاتم النبیین حصہ دوم از صفحہ ۱۷۴ تا صفحہ ۲۳۶

باب ہفتم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض شادیاں۔ قبائل یہود بنو قینقاع اور بنو نضیر کا اخراج۔ جنگ احد۔ واقعہ رجیع اور بئر معونہ۔ غزوہ دومۃ الجندل۔ غزوہ بنو مصطلق اور واقعہ افک

حضرت عائشہ کا رخصتانہ شوال ۲ ہجری

گزشتہ صفحات میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد ایک خواب کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ

کے ساتھ نکاح کیا تھا۔ یہ سن نبوی کا دسواں سال اور شوال کا مہینہ تھا[۱]
اور حضرت عائشہؓ کی عمر سات سال تھی۔ [۲] مگر چونکہ ابھی تک آپ
رخصتانہ کی عمر کو نہیں پہنچی تھیں۔ اس لئے کچھ عرصہ تک بدستور اپنے
والدین کے گھر میں ہی مقیم رہیں۔ لیکن اب ہجرت کے دوسرے سال
جبکہ ان کے نکاح پر پانچ سال گذر چکے تھے اور ان کی عمر بارہ سال کی ہو
چکی تھی [۳] اور بالغ ہو چکی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ
کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصتانہ کی تحریک کی۔ جس پر ماہ شوال ۲ ہجری
میں حضرت عائشہ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو کر حرم نبوی میں
داخل ہو گئیں۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

حضرت عائشہؓ صدیقہ کو آنحضرت ﷺ کی دوسری بیویوں کی
نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ باکرہ ہونے کی حالت میں
آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ باقی تمام بیویاں جو حضور نے کیں
یا تو بیوہ تھیں اور یا مطلقہ تھیں اور ہر ایک پختہ عمر کی تھی۔ ان میں سے
بعض کو احسان و مروت کے طور پر نکاح میں لایا گیا۔ بعض کو ان کی قوموں
کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کے لئے۔ بعض کو کفر اور جاہلیت کی رسوم

---

[۱] استیعاب صفحہ ۷۶۵ [۲] ابن ہشام جلد ۳ ذکر ازواج النبی
[۳] حضرت عائشہؓ کی عمر کے متعلق مفصل بحث کے لئے دیکھئے سیرت خاتم النبیّین
حصہ دوم

توڑ کر دکھانے کے لئے اور بعض کو محض اس لئے کہ ان کا کفیل آپ کے سوا کوئی نہ بن سکتا تھا مگر آنحضرت ﷺ کو اپنی تمام بیویوں کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ زیادہ محبوب تھیں اس لئے نہیں کہ آپ نوجوان اور حسین تھیں اور نہ محض اس لئے کہ آپ غیر معمولی ذہین اور فہیم تھیں۔ بلکہ اس لئے کہ روحانی اور جسمانی طہارت کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مرتبہ دوسری تمام بیویوں کی نسبت بلند تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتِ ﷺ کی بعض دوسری ازواج مطہرات نے کسی اہلی امر میں حضرت عائشہ کے متعلق کوئی بات کہی۔ مگر آپ خاموش رہے لیکن جب اصرار کے ساتھ کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "میں تمہاری شکایتوں کو کیا کروں میں تو یہ جانتا ہوں کہ کبھی کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر میرے خدا کی وحی نازل نہیں ہوئی مگر عائشہؓ کے لحاف میں وہ ہمیشہ نازل ہوتی ہے۔ [1] اللہ اللہ کیا ہی مقدس وہ خاوند تھا جس کی نظر انتخاب کا معیار تقدس و طہارت کے سوا اور کچھ نہ تھا اور کیا ہی مقدس وہ بیوی تھی جس کی پاکیزگی کا معیار اس قدر بلند تھا کہ کلام الٰہی لانے والا فرشتہ بھی اس کے پاس آنے سے نہیں جھجکتا تھا۔ آپ بعض اوقات فرماتے تھے کہ سب لوگوں میں عائشہ مجھے محبوب ترین ہے [2] ایک دفعہ فرمایا کہ مردوں میں تو بہت لوگ کامل گذرے ہیں مگر عورتوں میں کاملات بہت کم ہوئی ہیں۔ پھر آپ نے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کا نام لیا اور پھر فرمایا کہ عائشہ کو عورتوں پر وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب

---

[1] بخاری باب فضل عائشہ [2] بخاری باب مناقب ابوبکرؓ

کے بہترین کھانے ثرید کو دوسرے کھانوں پر حاصل ہے۔ [1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت کا جو عظیم بالشان کام کیا ہے' اس کی نظیر تلاش کرنا ناممکن ہے۔ احادیث نبوی کا ایک بہت بڑا اور ضروری حصہ آپؓ ہی کی روایات پر مبنی ہے۔ آپ کے علم و فضل اور تفقہ فی الدین کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ آپ کی قابلیت کا لوہا مانتے تھے اور آپ سے فیض حاصل کرتے تھے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے لئے سیر و تفریح کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ چند حبشی آپ اور آپ کے صحابہ کرام کو مسجد نبوی کے صحن میں نیزہ کے کرتب دکھا رہے تھے تو آپ حضرت عائشہ کو سہارا دے کر مکان کی دیوار کے ساتھ اپنی اوٹ میں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور جب تک وہ خود تھک کر ہٹ نہ گئیں آپ وہاں سے نہیں ہٹے۔ [2]

ایک موقعہ پر آپ نے حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کیا۔ پہلی دفعہ تو حضرت عائشہؓ آگے نکل گئیں مگر ایک عرصہ کے بعد جب دوسرے موقعہ پر آپ ان کے ساتھ دوڑے تو چونکہ ان کا جسم کسی قدر بھاری ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ آگے نکل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔

---

[1] بخاری باب فضل عائشہ
[2] بخاری باب حسن معاشرت

هٰذِهٖ بِتِلْكَ [1] یعنی لو عائشہ اس روز کا بدلہ اتر گیا۔

بعض خوشی کے اوقات میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کی بعض سہیلیاں آپ کے گھر میں پاکیزہ اشعار پڑھنے کے لئے آئیں تو آپ بالکل تعرض نہ فرماتے۔ بلکہ ایک دفعہ تو حضرت ابو بکرؓ نے اس نظارہ کو دیکھ کر لڑکیوں کو کچھ تنبیہہ کرنا چاہی۔ تو آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ ابو بکر جانے دو یہ عید کا دن ہے۔ لڑکیاں اپنا شغل کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ جب چھوٹی عمر کی تھیں۔ ان کی پروں والی گڑیاں طاق میں رکھی دیکھیں۔ فرمایا۔ عائشہ گڑیوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حضرت سلیمان کے گھوڑے کے پروں کا ذکر جو آیا ہے۔ آپ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ سب لوگ کسی نہ کسی رنگ میں مذاق کرتے ہیں مگر آپ کی اس قسم کی گفتگو بھی پاکیزگی اور سچائی کی مثل تھی۔

تعدد ازدواج اور اس کی حکمتیں

حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اب عملاً آپ کے حرم میں تعدد ازدواج کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ اس موقعہ پر اس مسئلہ کے متعلق کچھ بیان کر دیا جائے۔ سو جاننا چاہئے کہ شریعت اسلام نے ایک مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ضرورت کے وقت ایک سے لے کر چار عورتوں تک شادی کر

[1] ابو داؤد باب السبق

لے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء:۴) یعنی تم نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہیں اچھی معلوم ہوں دو دو تین تین اور چار چار اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی سے شادی کرو۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج کی صورت میں مرد سے جہاں تک ہو سکے وہ عورتوں سے انصاف کا برتاؤ کرے۔

بعض لوگ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ خیال انسان کی فطرت اور اس کے طبعی تقاضوں کے بالکل منافی ہے۔ تعدد ازدواج کی حکمتوں اور مصالح کے متعلق اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بعض ارشادات کو نقل کر دیا جائے۔

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

"خدا کی شریعت ہر ایک قسم کا علاج اپنے اندر رکھتی ہے۔ پس اگر اسلام میں تعدد نکاح کا مسئلہ نہ ہوتا تو ایسی صورت میں کہ جو مردوں کے لئے نکاح ثانی کے لئے پیش آجاتی ہے اس شریعت میں ان کا کوئی علاج نہ ہوتا۔ مثلاً اگر عورت دیوانہ ہو جائے یا مجذوم ہو جائے یا ہمیشہ کے لئے کسی ایسی بیماری میں گرفتار ہو جائے جو بیکار کر دیتی ہے یا کوئی اور ایسی

صورت پیدا ہو جائے کہ عورت قابل رحم ہو مگر بیکار ہو جائے۔ اور مرد بھی قابل رحم کہ تجرد پر صبر نہ کر سکے تو ایسی صورت میں مرد کے قویٰ پر یہ ظلم ہے کہ اس کو نکاح ثانی کی اجازت نہ دی جائے۔ در حقیقت خدا کی شریعت نے انہی امور پر نظر کر کے مردوں کے لئے یہ راہ کھلی رکھی ہے اور مجبوریوں کے وقت عورتوں کے لئے بھی راہ کھلی ہے کہ اگر مرد بے کار ہو جاوے تو حاکم کے ذریعہ سے خلع کرالیں جو طلاق کے قائم مقام ہے"۔ [1]

پھر فرماتے ہیں:۔

"عملی طور پر سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہئے مثلاً پارچات۔ خرچ۔ خوراک۔ معاشرت حتیٰ کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے...... ہمیں جو کچھ خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا ہے وہ بلا کسی رعایت کے بیان کرتے ہیں۔ قرآن کریم کا منشاء زیادہ بیویوں کی اجازت سے یہ ہے کہ تم کو اپنے نفوس کو تقویٰ پر قائم رکھنے اور دوسری اغراض مثلاً اولاد صالحہ حاصل کرنے اور خویش و اقارب کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی بجا آوری سے ثواب حاصل ہو اور انہیں اغراض کے لحاظ سے اختیار دیا گیا ہے کہ ایک۔ دو۔ تین۔ چار عورتوں تک نکاح کر لو لیکن اگر ان میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہو گا اور بجائے ثواب کے عذاب حاصل کرو گے کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ سے دوسرے گناہوں پر آمادہ ہوئے۔ دل دکھانا بڑا گناہ ہے

---

[1] کشتی نوح صفحہ ۱۷

اور لڑکیوں کے تعلقات بہت نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین ان کو اپنے سے جدا اور دوسرے کے حوالے کرتے ہیں تو خیال کرو کیا امیدیں ان کے دلوں میں ہوتی ہیں اور جن کا اندازہ انسان عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔"[1]

حضرت فاطمہؓ کا نکاح ذوالحجہ ۲ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہؓ کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی تھی۔ حضرت فاطمہ الزہرہ ان میں سب سے چھوٹی تھیں۔ جب ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد دیگرے شادی کے پیغامات بھیجے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے دونوں کی درخواستوں کو منظور نہ کیا۔ اس کے بعد ان دونوں بزرگوں نے یہ سمجھ کر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ حضرت علیؓ کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ سے تحریک کی۔ حضرت علیؓ تو پہلے ہی سے خواہشمند تھے۔ مگر حیا کی وجہ سے خاموش تھے۔ اب ان بزرگوں کی تحریک پر فوراً دربار نبوی میں حاضر ہو کر رشتہ کی درخواست پیش کر دی۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تو پہلے سے خدائی اشارہ ہو چکا ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت فاطمہ سے پوچھا۔ وہ بوجہ حیا کے خاموش رہیں۔ یہ ایک طرح سے اظہار رضا تھا۔ اس کے بعد آپ نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو جمع کر کے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا نکاح پڑھ دیا۔ جنگ

---

[1] الحکم ۲۸ ر فروری ۱۹۰۲ء

بدر کے بعد غالباً ماہ ذوالحجہ ۲ ہجری میں رخصتانہ کی تجویز ہوئی۔ مہر کی ادائیگی کے متعلق جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا بدر کی غنیمت میں سے جو زرہ آپ کو ملی تھی وہ کیا ہوئی؟ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ تو ہے۔ فرمایا۔ بس وہی فروخت کر دو۔ چنانچہ وہ زرہ چار سو درہم میں فروخت ہوئی۔ اور اس میں سے آنحضرت ﷺ نے شادی کے اخراجات مہیا کئے۔ جو جہیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو دیا وہ ایک بیلدار چادر۔ ایک چمڑے کا گدیلہ جس کے اندر کھجور کے خشک پتے بھرے ہوئے تھے اور ایک مشکیزہ تھا[1] اور ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جہیز میں ایک چکی بھی دی تھی۔[2]

رخصتانہ کے بعد آنحضرت ﷺ اس دن ان کے مکان پر تشریف لے گئے اور تھوڑا سا پانی منگا کر اس پر دعا کی اور پھر وہ پانی دولہا اور دلہن پر یہ الفاظ پڑھتے ہوئے چھڑکا۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْھِمَا وَ بَارِكْ عَلَیْھِمَا وَ بَارِكْ لَھُمَا نَسْلَھُمَا۔[3]

یعنی اے میرے اللہ تو ان دونوں کے باہمی تعلقات میں برکت دے اور ان کے ان تعلقات میں برکت دے جو دوسروں کے ساتھ ان کے پیدا ہوں اور ان کی نسل میں برکت دے"۔ پھر آپ گھر تشریف لے گئے۔

---

[1] نسائی بحوالہ تلخیص الصحاح کتاب النکاح [2] اصابہ [3] اصابہ

لڑکیوں کی پرورش کی تاکید اور

حضرت فاطمہؓ سے محبت

اس زمانہ میں جبکہ بعض قبائل میں لڑکیوں کی پیدائش کو ایک عیب خیال کیا جاتا تھا اور جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے اگر کسی شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اس کا چہرہ غم کے مارے سیاہ ہو جاتا تھا۔ اور وہ اپنی قوم سے شرم کے مارے چھپتا پھرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت سختی کے ساتھ اس ظلم کا انسداد کیا اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کی کہ لڑکیوں کی پرورش خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے اجر کا موجب ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس کو خدا لڑکیاں دے اور وہ ان کی باحسن وجوہ پرورش کرے تو وہ لڑکیاں اس کے اور عذاب دوزخ کے درمیان آڑ بن جائیں گی۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیاں پالیں وہ شخص اور میں جنت میں دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس کو خدا نے لڑکی دی اور اس نے اس کو زندہ دفن نہ کیا اور نہ ذلیل سمجھا اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دی۔ وہ بہشت میں داخل ہو گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب کوئی شے بازار سے لاؤ تو واجب ہے کہ اس کی

تقسیم کی ابتداء لڑکی سے کرو کیونکہ جو کوئی لڑکی کو خوش رکھتا ہے وہ گویا خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آتش دوزخ اس پر حرام ہے۔

اس تعلیم کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے بھی بتایا کہ لڑکی کس قدر و منزلت کی مستحق ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ کے پاس آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ الزہرا آتیں تو آپ ان کو دیکھ کر احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ جب سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں ان سے ملتے اور واپس آنے پر سب سے پہلے ان سے ملاقات کرتے تاکہ جدائی کا عرصہ کم سے کم ہو۔ یہ تھا وہ اسوہ حسنہ جو آنحضرت ﷺ نے لڑکیوں کے احترام اور ان کی قدر و منزلت کے قیام کے لئے پیش فرمایا۔

حضرت فاطمہؓ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے آپ کو بہت عزیز تھیں لیکن باوجود اس محبت اور پیار کے ایک موقعہ پر جبکہ ایک عورت نے چوری کی اور آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا۔ بعض لوگ اس کی برادری میں سے سفارش کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُ يَدَهَا یعنی اس عورت کا تو مجھ سے کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ اگر میری پیاری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ہاتھ کاٹنے میں اس کی بھی رعایت نہ کرتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے دل میں اپنی اولاد کے متعلق ناجائز حمایت کرنے کا مادہ ہی نہیں تھا بلکہ اگر اپنے کسی بچہ کے متعلق بھی ثابت ہو جائے کہ اس کا قصور ہے تو آپ

اسے بھی ہر وقت سزا دینے کے لئے تیار تھے۔

غزوہ بنو قینقاع۔ اواخر ۲ ہجری

یہ بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ میں یہود کے تین بڑے بڑے قبائل آباد تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ آپؐ نے ان کے ساتھ امن وامان سے رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ شروع شروع میں تو انہوں نے اس معاہدہ کا پاس رکھا لیکن جنگ بدر کے بعد مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر اُن کے دلوں میں حسد کی جلن پیدا ہوئی اور انہوں نے مسلمانوں کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک جگہ قبیلہ اوس اور خزرج کے کچھ مسلمان آپس میں برادرانہ گفتگو کر رہے تھے کہ بعض فتنہ پرداز یہود نے کسی عجیب طریق سے جنگ بعاث کی یاد کو تازہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا مسلمانوں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں کھینچ لیں مگر خیر گذری کہ آنحضرت ﷺ بروقت پہنچ گئے۔ اور انہیں نصیحت فرمائی کہ اب جبکہ تمہیں خداتعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم پھر جہالت کی روش اختیار کرتے ہو۔ انصار اس نصیحت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنی اس حرکت سے تائب ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔ [1]

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۱۶

اس کے علاوہ بھی یہود نے کئی قسم کی شرارتیں کیں لیکن ہر موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم پوشی فرمائی اور مسلمانوں کو بھی صبر سے کام لینے کی ہدایت فرماتے رہے۔ مگر یہود کب باز رہنے والے تھے ان کے دلوں میں تو عداوت اور بغض کا بیج بویا جاچکا تھا۔ انہوں نے اپنی شرارتوں میں یہاں تک تجاوز کیا کہ ایک مسلمان خاتون جو کہ ایک یہودی دوکاندار سے کچھ سودا خرید رہی تھی۔ اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کی اور خود دکاندار نے یہ شرارت کی کہ اس کے تہبند کے نچلے کونے کو اس کی بے خبری کی حالت میں اس کی پیٹھ کے کپڑے سے ٹانک دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ عورت اٹھی تو ننگی ہو گئی۔ اور یہود قہقہہ مار کر ہنسنے لگ گئے۔ مسلمان عورت نے شرم کے مارے ایک چیخ ماری اور مسلمانوں سے مدد کی خواہاں ہوئی۔ اتفاق سے ایک مسلمان جو کہیں قریب ہی کھڑا تھا لپک کر موقعہ پر پہنچا اور اس یہودی دکاندار کو تھوڑی ہی دیر میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر تھا اکیلا۔ چاروں طرف سے یہود اس پر ٹوٹ پڑے اور وہ غیور مسلمان وہیں شہید ہو گیا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بھی غیرت قومی کی وجہ سے جوق در جوق اس جگہ پہنچے اور ایک بلوہ کی صورت پیدا ہو گئی۔ [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے رؤسائے بنو قینقاع کو سمجھایا کہ تم ان شرارتوں سے باز آجاؤ۔ مگر وہ بجائے اس کے کہ اظہار افسوس کرتے اور آئندہ کے لئے پرامن رہنے کا عہد کرتے نہایت ہی متمردانہ لہجہ میں

---

[1] ابن ہشام

بولے کہ اے محمد (ﷺ) تم شاید چند قریش کو قتل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ وہ لوگ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر ہمارے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا تو تمہیں پتہ لگ جائے گا۔ [1] ناچار آپ صحابہ کی ایک جمعیت لے کر بنو قینقاع کے قلعوں کی طرف روانہ ہوئے اور متواتر پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کئے رکھا آخر انہوں نے اس شرط پر دروازے کھولے کہ ان کے اموال مسلمانوں کے نگران کی جائیں اور اہل و عیال پر مسلمانوں کا کوئی حق نہ ہو گا۔ گو وہ موسوی شریعت کے لحاظ سے واجب القتل تھے۔ [2] مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمدل طبیعت نے یہی فیصلہ فرمایا کہ مدینہ میں ان کا رہنا خطرناک ہے یہ کہیں مدینہ سے باہر چلے جائیں چنانچہ بنو قینقاع کے تمام قبیلے نہایت ہی امن وامان کے ساتھ شام کی طرف چلے گئے اور اس طرح سے مدینہ اس خطرناک عنصر سے پاک ہو گیا۔

جنت البقیع

اس سال کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے لئے ایک مقبرہ تجویز فرمایا جو جنت البقیع کے نام سے مشہور ہے۔ عموماً جو صحابہ اس میں دفن ہوتے تھے۔ ان کی قبروں کے سرہانے ایک پتھر بطور علامت نصب کروا دیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے جو صحابی اس میں دفن

---

[1] خمیس جلد ۱ ص ۴۷۰ [2] استثناء باب ۲۰ آیت ۱۲ تا ۱۴

ہوئے ان کا نام عثمانؓ بن مظعون تھا۔

ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی۔

ربیع الاول ۳ ہجری

حضرت عثمانؓ بن عفان کی پہلی بیوی رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو وہ سخت بیمار ہو گئیں۔ آپ نے حضرت عثمان کو ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں ہی رہنے کا ارشاد فرمایا۔ مگر وہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین یعنی دو نوروں والا کہا جاتا ہے۔

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ سے شادی۔ شعبان ۳ ہجری

جنگ بدر کے بعد حضرت حفصہؓ کے پہلے خاوند خنیس بن حذافہ بیمار ہو کر فوت ہو گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کو حفصہؓ کے نکاح کا فکر دامنگیر ہوا۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکر کی خدمت میں عرض کیا۔ لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اس پر حضرت عمرؓ کو بہت ملال ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری

سرگذشت عرض کردی۔ آپ نے حضرت عمر کو تسلی دی اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور تعلقات یگانگت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اس لحاظ سے بھی کہ اس مصیبت میں ان کے ساتھ ہمدردی ہو جائے گی۔ خود ہی ان کو حفصہؓ کے لئے پیغام بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے نہایت خوشی سے اس رشتہ کو قبول فرمایا اور شعبان ۳ ہجری میں حضرت حفصہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں آکر حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔ اس وقت حضرت حفصہؓ کی عمر بیس سال سے کچھ زیادہ تھی۔ شادی کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر سے کہا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کچھ ملال ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ سے اطلاع تھی ورنہ میں بخوشی قبول کرلیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کے دل میں مخلص والدین کی قدر اور مخلص خاوندوں کی مصیبت زدہ بیواؤں سے کس قدر ہمدردی تھی ورنہ اگر کوئی اور شخص ہوتا اور اسے وہ پوزیشن حاصل ہوتی جو صحابہ کے درمیان آپ کو حاصل تھی۔ تو وہ کبھی بیوہ عورتوں سے شادی نہ کرتا۔ بلکہ حسین سے حسین کنواری عورتیں تلاش کر کے شادی کرتا۔

حضرت امام حسنؓ کی ولادت۔ رمضان ۳ ہجری

رمضان ۳ ہجری میں حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ رکھا۔ یہ وہی حسن ہیں جو بعد

میں حضرت امام حسنؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپؐ کا بچوں سے پیار

آنحضرت ﷺ کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپ بچوں سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور صحابہ کو بھی فرمایا کرتے تھے کہ اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ۔ یعنی اے لوگو! اپنے بچوں سے عزت سے پیش آیا کرو چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ وہ جب اپنے گھر سے آنحضرت ﷺ کے گھر تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو کر ملتے تھے اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتے تھے اور اپنا تکیہ ان کو دیا کرتے تھے۔ ایسا ہی حضرت فاطمہؓ کے بچوں کے متعلق بھی حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو ان سے خاص محبت تھی اور آپ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے ان بچوں سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت کر۔ اور ان سے محبت کرنے والوں سے محبت کر۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ آپ نماز میں ہوتے تو حسنؓ آپ سے لپٹ جاتے۔ رکوع میں ہوتے تو آپ کی ٹانگوں میں سے راستہ بنا کر نکل جاتے۔ حضورؐ کی عادت شریف میں یہ امر داخل تھا کہ جب حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے تو فرماتے کہ میرے بچوں کو لاؤ۔ وہ صاحبزادوں کو لاتیں۔ آپ انہیں سونگھتے۔ پیار کرتے اور سینہ سے لگا لیتے۔ اس زمانہ میں چونکہ بچوں کو پیار کرنا ایک عجیب چیز سمجھا جاتا تھا اور بڑی عمر کے لوگ اور خصوصاً سرداران قوم بچوں سے پیار کرنا اپنی شان اور وقار کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو بھی بچوں کو پیار کرتے

دیکھ کر وہ حیران ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ کو اپنے نواسہ کو پیار کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ یا رسول اللہ میرے دس لڑکے ہیں مگر میں نے کبھی انہیں پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "تیرے دل سے اللہ شفقت نکال لے تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔ اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیار ایک طبعی امر ہے جو شخص اپنے بچوں کو پیار نہیں کرتا وہ صاحب وقار نہیں بلکہ اس کے دل میں سختی پائی جاتی ہے۔ آپؐ کی تو یہ حالت تھی کہ عبادت الٰہی کرتے وقت جب کوئی بچہ آپ کی پیٹھ پر سوار ہو جاتا تو آپؐ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ جب تک وہ خود بخود نہ اترتا بلکہ ایک دفعہ تو آپ نے اپنی نواسی امامہ کو گود میں لیکر نماز پڑھی۔ جب سجدہ میں جاتے تو اسے اتار کر بٹھا دیتے پھر اٹھتے تو اٹھا لیتے۔ آپ سفر میں ہوتے تو اپنے چھوٹے رشتہ دار بچوں کو اپنے ساتھ باری باری سوار کرتے۔ لیکن اس قدر پیار و محبت کے باوجود اصلاح اور تنبیہ کے پہلو کو بھی آپ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ انہی امام حسنؓ کے متعلق آتا ہے کہ جبکہ ان کی عمر قریباً تین چار سال کی تھی تو ایک دفعہ کھیلتے کھیلتے انہوں نے زکوٰۃ کے کھجوروں کے ڈھیر سے ایک کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ نے فوراً ان کے منہ سے نکال کر پھینک دی اور فرمایا کخ کخ یعنی چھی چھی چھی۔ پھر ایسا نہ کرنا۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ صدقہ ہمارے خاندان کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ جب آپ کا ربیب ابن ابی سلمہ آپ کی گود میں بیٹھ کر آپ کے ساتھ کھانا کھانے لگا تو اس کے ہاتھ برتن کے چاروں

طرف پڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا "بچے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور برتن میں صرف اپنے آگے سے کھاؤ۔ سارے برتن میں ہاتھ نہ ڈالو"۔

آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ بچوں کو ادھر ادھر کی باتیں سکھانے کی بجائے ایسی باتیں سکھاتے تھے جو اچھی اور نصیحت آموز ہوں۔ حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں مجھے ایک فقرہ یاد کروایا تھا جو ابھی تک مجھے یاد ہے اور وہ یہ ہے کہ دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ یعنی "چھوڑ دے وہ بات جو بری اور شبہ والی ہو اور اختیار کر وہ بات جو اچھی اور شبہ سے پاک ہو"۔

غرض بچوں کی تربیت، بچوں سے پیار، ان سے حسن سلوک اور ان کی عزت کرنے میں جو نمونہ آپ نے دکھایا وہ اس قابل ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اس کی تقلید کرے۔

جنگ احد شوال ۳ ہجری

جنگ بدر کی شکست کوئی ایسی نہ تھی کہ قریش مکہ کے دلوں سے محو ہو جاتی۔ بقیۃ السیف سرداران قریش نے قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک مقتولین بدر کا انتقام نہ لے لیں گے۔ اس وقت تک چین نہ لیں گے اور اس غرض کے لئے انہوں نے تمام قبائل عرب کا دورہ کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے مشہور جنگجو قبائل مسلمانوں سے برسرپیکار ہو

گئے۔ یہود پہلے ہی ان کے ساتھ تھے بس پھر کیا تھا اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ کے مطابق مٹھی بھر مسلمان ایک طرف تھے اور سارا عرب دوسری طرف تھا۔ جو تجارتی قافلہ شام سے ابو سفیان کی سرداری میں آیا تھا اس کا سارا منافع قریش کے فیصلہ کے مطابق دار الندوہ میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کرنے کے واسطے محفوظ پڑا تھا۔ [1] اب اس روپے کو نکالا گیا اور بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبد المطلب نے جو دل سے آپ کے ساتھ تھے فوراً ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے اس ارادہ سے اطلاع دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے بھی تیاری شروع کر دی۔

ابو سفیان تین ہزار کا جرار لشکر لے کر جس میں تمام عرب کے چیدہ چیدہ بہادر بھی شامل تھے غالباً رمضان ۳ ہجری میں مکہ سے نکلا۔ علاوہ کافی وشافی سامان حرب کے تین ہزار اونٹ اور دو سو گھوڑے بھی ساتھ تھے۔ اشتعال انگیز اشعار گا کر قومی غیرت کو ابھارنے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ متواتر گیارہ دن کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ لشکر جمعرات کے روز مدینہ سے شمال کی طرف تین میل کے فاصلہ پر احد کی پہاڑی کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اور مدینہ کی چراگاہوں پر قبضہ کر کے اپنے گھوڑے اور اونٹ ان میں چھوڑ دیئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے مخبروں کے ذریعہ ان تمام

---

[1] ابن سعد

حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ آپ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ آج رات میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے اور نیز میں نے دیکھا کہ میری تلوار کا سرا ٹوٹ گیا ہے [1] اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ گائے ذبح کی جا رہی ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط اور محفوظ زرہ کے اندر ڈالا ہے [2] صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ فرمایا گائے کے ذبح ہونے سے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے بعض صحابہ اس جنگ میں شہید ہوں گے اور تلوار کا کنارہ ٹوٹنے سے میرے بعض عزیزوں کی شہادت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے [3] یا شاید خود مجھے اس مہم میں کوئی تکلیف پہنچے۔ اور زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مدینہ کے اندر ٹھہر کر ہی دشمن کا مقابلہ زیادہ مناسب ہے"۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ بعض اکابر صحابہ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین نے بھی یہی مشورہ دیا کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے ہمیں مدینہ کے اندر رہ کر ہی اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ لیکن اکثر صحابہ اور خصوصاً نوجوانوں نے جنہیں جنگ بدر میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ بڑے اصرار سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں ضرور باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جوش کو دیکھ کر ان کی بات مان لی اور اندرون خانہ جا کر دوہری زرہ اور خود پہنے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ پیچھے

---

[1] بخاری حالات احد [2] ابن ہشام [3] ابن ہشام

صحابہ نے سوچا کہ ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ آپ کی رائے کے مقابلہ میں ہمیں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ چنانچہ ایک یہ سوچ کر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی رائے ہی درست ہے۔ ہم مدینہ میں ہی ٹھہر کر مقابلہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا کے نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ ہتھیار لگا کر پھر اتار دے۔ قبل اس کے کہ خدا کوئی فیصلہ کرے" [1] چنانچہ شام کے وقت ایک ہزار آدمی کا لشکر لے کر جن میں صرف دو گھوڑے اور ایک سو زرہ پوش تھے۔ آپؐ مدینہ سے نکلے۔ چند بچے بھی جہاد کے شوق میں ساتھ ہو گئے۔ آپؐ نے بعض کو تو واپس کر دیا لیکن رافع کے باپ خدیج نے چونکہ رافع کی سفارش کی تھی کہ یہ اچھا تیرانداز ہے اسے ضرور شامل کر لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے اجازت دے دی۔ اس پر ایک اور بچہ سمرہ بن جندب اپنے باپ کو ساتھ لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر رافع کو لیا گیا ہے تو مجھے ضرور لینا چاہئے۔ کیونکہ میں اس سے زیادہ مضبوط ہوں اور اسے کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچے کی خواہش پسند آئی اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اچھا رافع اور سمرہ کی کشتی کراؤ۔ تاکہ معلوم ہو کہ کون زیادہ مضبوط ہے"۔ چنانچہ مقابلہ ہوا اور رافع کو سمرہ نے پل بھر میں گرا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا سمرہ تم بھی چلو۔ اس پر اس بچے کا دل خوش ہو گیا اور وہ بھی ساتھ چل پڑا۔ اب

---

[1] بخاری کتاب الاعتصام

چونکہ شام ہو چکی تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وہیں ڈیرے لگانے کا حکم دے دیا۔ صبح کے وقت جب اسلامی لشکر آگے بڑھنے لگا تو عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا کہ چونکہ محمد ﷺ نے میری بات نہیں مانی اور ناتجربہ کار نوجوانوں کے کہنے میں آ کر باہر نکل آئے ہیں اس لئے میں ان کے ساتھ ہو کر نہیں لڑ سکتا۔ کیونکہ اس طرح لڑنے میں سوائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ یہ کہہ کر اپنے تین سو سپاہیوں کو لیکر واپس مدینہ کو لوٹ گیا۔ [1] اب اسلامی لشکر کی تعداد سات سو رہ گئی اور بالمقابل کفار تین ہزار کی تعداد میں تھے اور پھر سواری اور سامان حرب کے لحاظ سے بھی اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ عبداللہ بن ابی کی واپسی کو دیکھ کر بعض مسلمان بھی متزلزل ہونے لگے۔ [2] مگر چونکہ دل میں نور ایمان تھا۔ اس لئے پھر سنبھل گئے۔

آنحضرت ﷺ نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے احد کے دامن میں ڈیرے ڈال دیئے۔ فوج کی پشت پر کی طرف پہاڑی میں ایک درہ تھا۔ جہاں سے حملہ ہو سکتا تھا اس کی حفاظت کے لئے آپ نے عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں پچاس تیراندازوں کو متعین فرما دیا۔ اور ان کو تاکید فرمائی کہ خواہ کچھ ہو جائے تم نے اس درہ کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ حتی کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ اور اگر دیکھو کہ ہم مغلوب ہو گئے ہیں اور

---

[1] ابن ہشام و ابن سعد [2] قرآن شریف سورہ آل عمران رکوع ۱۳

دشمن ہم پر غالب آگیا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ سے نہ ہٹنا [1] اور ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں تو پھر بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا۔ حتیٰ کہ تمہیں یہاں سے ہٹ آنے کا حکم دیا جائے [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں دیکھ کر مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی کے ہاتھ سے لیکر مصعبؓ بن عمیر کے سپرد کر دیا جو طلحہ کی طرح قصی بن کلاب ہی کے خاندان کے ایک فرد تھے۔ عام جنگ سے پہلے طرفین کے لشکروں میں سے حضرت علیؓ اور طلحہ علمبردار قریش کا مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے دو چار ہاتھ میں ہی طلحہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان نکلا۔ ادھر سے حضرت حمزہؓ نکلے اور جاتے ہی اس کا خاتمہ کر دیا۔ کفار نے یہ نظارہ دیکھ کر عام دھاوا بول دیا۔ مسلمان بھی تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ غالباً اسی موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لیکر فرمایا۔ "کون ہے جو اسے لیکر اس کا حق ادا کرے۔" یکے بعد دیگرے بہت سے صحابہ نے درخواست کی لیکن آپ نے تلوار ابودجانہؓ انصاری کے سپرد کر دی۔ جنہوں نے اس کا خوب حق ادا کیا۔ چنانچہ مشہور انگریز مورخ سرولیم میور لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کے خطرناک حملوں کے آگے مکی لشکر کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ قریش کے رسالہ نے کئی دفعہ کوشش کی کہ

[1] بخاری کتاب المغازی [2] بخاری کتاب الجہاد

اسلامی فوج کے بائیں طرف عقب سے ہو کر حملہ کریں مگر ہر دفعہ انہیں ان پچاس تیر اندازوں کے تیر کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ جو محمد (ﷺ) نے وہاں خاص طور پر متعین کئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے احد کے میدان میں بھی وہی شجاعت اور مردانگی اور موت و خطرے سے وہی بے پروائی دکھائی گئی جو بدر کے موقعہ پر انہوں نے دکھائی تھی۔ مکہ کے لشکر کی صفیں پھٹ پھٹ جاتی تھیں جب اپنی خود کے ساتھ سرخ رومال باندھے ہوئے ابو دجانہؓ ان پر حملہ کرتا تھا اور اس تلوار کے ساتھ جو اسے محمد (ﷺ) نے دی تھی چاروں طرف گویا موت بکھیرتا جاتا تھا۔ حمزہؓ اپنے سر پر شتر مرغ کے پروں کی کلغی لہراتا ہوا ہر جگہ نمایاں نظر آتا تھا۔ علیؓ اپنے لمبے اور سفید پھریرے کے ساتھ' اور زبیرؓ اپنی شوخ رنگ کی چمکتی ہوئی زرد پگڑی کے ساتھ بہادران الید کی طرح جہاں بھی جاتے تھے۔ دشمن کے واسطے گویا موت و پریشانی کا سامان اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہ وہ نظارے تھے جہاں بعد کی اسلامی فتوحات کے ہیرو تربیت پذیر ہوئے'' [۱]

غرض لڑائی ہوئی اور خوب ہوئی۔ قریش کے نو علمبردار یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ آخر میں ایک حبشی غلام صواب نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ جب وہ بھی مارا گیا تو کفار کی فوج میں بھاگڑ پڑ گئی اور تھوڑی ہی دیر

[۱] لائف آف محمد صفحہ ۲۵۱-۲۵۲

میں میدان بالکل صاف ہو گیا اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے [۱]

عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ فتح ہو چکی ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تو انہوں نے بھی عبداللہ سے اجازت طلب کی مگر عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد دلا کر انہیں روکا۔ انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور یہ کہتے ہوئے نیچے اتر گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مطلب تھا کہ جب تک پورا اطمینان نہ ہو جائے درہ خالی نہ چھوڑا جائے اور اب چونکہ فتح ہو چکی ہے اس لئے جانے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ سوائے عبداللہ بن جبیر اور ان کے چند ساتھیوں کے باقی کوئی نہ رہا۔ خالد بن ولید کی دوربین نگاہوں نے درہ کو خالی دیکھ کر فوراً حملہ کر دیا۔ اور عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنے دستے کو لیکر تیزی سے پہنچ گیا۔ بس پھر کیا تھا یہ دونوں ایک بلائے ناگہانی کی طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اسلامی فوج میں سخت گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ نہایت بہادری سے لڑ رہے تھے کہ جبیر بن مطعم (جس کے چچا کو حضرت حمزہؓ نے بدر میں تلوار کے گھاٹ اتارا تھا) کے ایک حبشی غلام وحشی نامی نے جس کو خاص طور پر انعام کا وعدہ دیا گیا تھا۔ چھپ کر ایک چھوٹے سے نیزہ کے ساتھ حضرت حمزہؓ پر وار کیا۔ اس کی ضرب ایسی کاری لگی کہ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گر پڑے اور اسی حالت میں جان دے دی۔

---

[۱] ابن سعد

آنحضرت ﷺ کو حضرت حمزہ سے اس قدر محبت تھی کہ جب غزوہ طائف کے بعد ان کا قاتل وحشی مسلمان ہو کر آپ کے سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کہ وحشی میرے سامنے نہ آیا کرے۔ اس وقت وحشی نے اپنے دل میں عہد کیا کہ جس ہاتھ سے میں نے رسول خدا کے چچا کو قتل کیا ہے جب تک اسی ہاتھ سے اسلام کے کسی بڑے دشمن کو تہ تیغ نہ کر لوں گا چین نہ لوں گا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں یمامہ کی جنگ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے اپنے عہد کو پورا کیا [۱]

اس گھمسان کے موقعہ پر زخمیوں کی مرہم پٹی اور خبر گیری کرنے کے لئے مسلمان عورتوں نے بھی خوب خدمات سرانجام دیں۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اب لڑائی اپنی انتہائی شدت میں تھی اور مسلمان اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے کہ اچانک قریش کے ایک بہادر سپاہی عبد اللہ بن قمئہ نے مسلمانوں کے علمبردار مصعبؓ بن عمیر کو یکے بعد دیگرے تین وار کر کے شہید کر دیا۔ جھنڈا تو کسی دوسرے مسلمان نے فوراً آگے بڑھ کر تھام لیا۔ مگر چونکہ مصعب کا ڈیل ڈول آنحضرت ﷺ سے ملتا جلتا تھا۔ کفار نے مشہور کر دیا کہ ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے۔ اس خبر کا پھیلنا تھا کہ مسلمانوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر بعض مسلمان تو میدان جنگ ہی سے بھاگ گئے اور بعض ہمت ہار

---

[۱] بخاری کتاب المغازی حالات احد

کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اور تیسرا گروہ وہ تھا جو برابر لڑ رہا تھا۔ مگر ثانی الذکر گروہ کو بھی جوں جوں آنحضرت ﷺ کے زندہ موجود ہونے کا پتہ لگتا جاتا تھا فوراً دیوانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے جاتے تھے لیکن جب قریش کا حملہ اپنی انتہائی شدت اختیار کر لیتا تھا۔ تو یہ چند گنتی کے آدمی ادھر ادھر دھکیل دیئے جاتے تھے۔ کسی ایسے ہی موقعہ پر حضرت سعد بن ابی وقاص کے مشرک بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا ایک پتھر آپ کے چہرہ مبارک پر لگا جس سے آپ کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور ہونٹ بھی زخمی ہوا[1]۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ ایک اور پتھر جو عبد اللہ بن شہاب نے پھینکا تھا۔ آپ کی پیشانی پر پڑا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ابن قمئہ نے ایک تیسرا پتھر اس زور سے پھینکا کہ اس کی ضرب سے آپ کی زرہ کی دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں چبھ گئیں۔

اس وقت نہایت خطرناک لڑائی ہو رہی تھی اور بعض اوقات تو ایسا خطرناک حملہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ قریباً قریباً اکیلے رہ جاتے تھے مگر جو جانثار خطرناک سے خطرناک مواقع پر بھی آپ کے ساتھ رہے۔ ان میں حضرت ابو بکرؓ۔ علیؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ ابو دجانہؓ انصاری۔ سعدؓ بن معاذ اور ابو طلحہؓ انصاری کے نام خاص طور پر لئے جاتے ہیں۔ اس گھمسان کے رن میں ایک مسلمان عورت ام عمارہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تلوار ہاتھ میں لے کر کاٹتی ہوئی عین اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچی۔ جبکہ عبد اللہ بن قمئہ آپ پر وار کرنے

---

[1] ابن ہشام

کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ مسلمان خاتون نے جھٹ وار کو اپنے اوپر لیا اور پھر تلوار تول کر اس پر اپنا وار کیا۔ مگر ایک دوہری زرہ پہنے ہوئے جری مرد کے مقابلہ میں ایک کمزور عورت بھلا کیا کر سکتی تھی۔ وار کا کوئی اثر نہ ہوا اور ابن قمئہ مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور اس زور سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر وار کیا کہ صحابہ کے دل دہل گئے۔ جاں نثار طلحہؓ نے وار کو اپنے ہاتھ پر لیا۔ مگر ننگا ہاتھ بھلا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ تلوار ان کے ہاتھ کو کاٹتی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پہلو پر پڑی۔ زخم تو خدا کے فضل سے نہ آیا۔ مگر اس صدمہ سے آپ چکر کھا کر گر گئے اور ابن قمئہ نے پھر خوشی کا نعرہ بلند کیا کہ میں نے محمد (ﷺ) کو مار لیا ہے [1]

ابن قمئہ تو وار کر کے واپس چلا گیا۔ مگر حضرت علیؓ اور طلحہؓ نے فوراً آپ کو اوپر اٹھا لیا اور مسلمانوں کو جب علم ہوا کہ آنحضرت ﷺ زندہ موجود ہیں تو ان کے پژمردہ چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ اب لڑائی کا زور کم ہو چکا تھا اور مسلمان پھر از سر نو درہ پر قابض ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ درہ میں پہنچ گئے تو قریش کے ایک دستہ نے پھر خالد بن ولید کی کمان میں درہ پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین کو ساتھ لے کر اسے واپس کر دیا [2]

درہ میں پہنچ کر جب ذرا سکون ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ

---

[1] ابن سعد و ابن ہشام [2] ابن ہشام

کی مدد سے اپنے زخم دھوئے۔ اور جو دو کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں چبھ کر رہ گئی تھیں وہ ابو عبیدہ بن الجراح نے بڑی مشکل سے اپنے دانتوں سے نکالیں۔ حتیٰ کہ اس کوشش میں ان کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔ روایت ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ آپ کے زخموں سے خون بہ رہا تھا آپ نے فرمایا۔ کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِیِّهِمْ بِالدَّمِ وَ هُوَ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ [۱] یعنی "کس طرح نجات پائے گی وہ قوم جس نے اپنے نبی کے منہ کو اس کے خون سے رنگ دیا۔ اس جرم میں کہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہے۔" اس کے بعد آپ نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ [۲] یعنی "اے میرے اللہ تو میری قوم کو معاف کردے۔ کیونکہ ان سے یہ قصور جہالت اور لاعلمی میں ہوا ہے۔" روایت ہے کہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ یعنی عذاب اور عفو کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں۔ خدا جسے چاہے گا معاف کرے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا [۳]

تھوڑی دیر کے بعد حضرت فاطمہؓ الزہرا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ وحشت ناک خبر سن کر آگئیں اور ایک چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ آپ کے زخم پر باندھی جس سے آپ کا خون بند ہوگیا۔ اسی طرح دوسرے زخمیوں کی بھی مرہم پٹی کی گئی۔

---

[۱] طبری و ابن ہشام [۲] مسلم حالات احد [۳] بخاری حالات غزوہ احد

دوسری طرف کفار کی عورتیں مسلمانوں کی لاشوں کی نہایت بے دردانہ طور پر بے حرمتی کر رہی تھیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبا گئی۔[1]

مکہ کے رؤساء نے پہلے تو بہت دیر تک آنحضرت ﷺ کی تلاش کی لیکن آپ نہ ملے تو ابوسفیان مسلمانوں کے مجمع کے قریب کھڑا ہو کر بولا "مسلمانو! کیا تم میں محمد (ﷺ) ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ خاموش رہو۔ پھر اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی نسبت پوچھا مگر پھر بھی آپ نے مسلمانوں کو یہی ہدایت کی۔ اس دفعہ بھی جب ادھر سے کوئی جواب نہ ملا تو فخریہ انداز میں پکار کر کہا اُعْلُ هُبُلْ یعنی "ہبل کی جے۔" توحید کے مقابلہ میں بھلا بت کی بلندی آپ کب برداشت کر سکتے تھے۔ فوراً فرمایا۔ "تم اس کا جواب کیوں نہیں دیتے۔" صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا جواب دیں؟ فرمایا زور سے کہو اَللّٰهُ اَعْلٰى وَ اَجَلُّ یعنی "بلندی اور بزرگی سب اللہ کے لئے ہے۔" ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارے ساتھ عزیٰ (ایک بت کا نام) ہے اور تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَا لَكُمْ یعنی عزیٰ کیا چیز ہے۔ "ہمارے ساتھ ہمارا اللہ مددگار ہے اور تمہارے ساتھ کوئی مددگار نہیں" اس کے بعد ابوسفیان نے کہا۔ لڑائی ڈول کی طرح ہے جو کبھی چڑھتا ہے اور کبھی گرتا ہے۔ پس یہ دن بدر کے دن کا بدلہ سمجھو اور آئندہ سال انہی ایام میں بدر

---

[1] ابن ہشام و طبری

کے مقام پر ہمارا تمہارا مقابلہ رہا۔ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت جواب دیا۔ "بہت اچھا یہ وعدہ رہا۔"

یہ کہہ کر ابو سفیان پہاڑی کے نیچے اتر گیا اور پھر جلدی ہی لشکر سمیت مکہ کی راہ لی۔ اس کو اس طرح واپس جاتے دیکھ کر مسلمان بھی نیچے اتر آئے اور اپنے شہداء کی نعشوں کی دیکھ بھال کی معلوم ہوا کہ ستر مسلمان خاک و خون میں لتھڑے پڑے ہیں اور عرب کی وحشیانہ رسم مثلہ کا مہیب نظارہ پیش کر رہے ہیں۔ حضرت حمزہؓ جن کا اوپر ذکر گذر چکا ہے۔ ان کی لاش بھی یہی منظر پیش کر رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شہداء کی اس حالت کو دیکھا تو مثلہ کی قبیح رسم کو ہمیشہ کے لئے اسلام میں ممنوع قرار دے دیا۔ نعشوں کی دیکھ بھال کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ بغیر غسل دیئے اور بغیر جنازہ پڑھے تمام شہداء کو دفن کر دو۔ چنانچہ صحابہؓ نے ایک ایک کپڑے میں دو دو شہیدوں کو ایک ایک قبر میں اکٹھا دفن کر دیا۔ اس کے بعد آپ مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک انصاری عورت جو سخت گھبراہٹ کی حالت میں احد کی طرف دوڑی آرہی تھی راستہ میں چند صحابہ سے ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ نے کہا تمہارا باپ شہید ہو گیا ہے۔ وہ عورت بولی کہ میں نے باپ کی نسبت نہیں پوچھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا تمہارا بھائی بھی شہید ہو گیا ہے۔ اس پر پھر اس نے کہا کہ میں نے بھائی کی نسبت بھی سوال نہیں کیا۔ مجھے تو آنحضرت ﷺ کا حال بتاؤ کہ کیا آپ خیریت سے ہیں؟ صحابہ نے کہا کہ تمہارا خاوند بھی شہید

ہو گیا ہے۔ وہ کہنے لگی۔ مجھے خدارا یہ بتاؤ کہ آنحضرت ﷺ کا کیا حال ہے۔ اس پر وہ بولے کہ رسول اللہ تو خدا کے فضل سے بخیریت ہیں اور وہ سامنے تشریف لا رہے ہیں۔ جب اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو بے اختیار ہو کر بولی کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ یعنی "اگر آپ زندہ ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں" [1]

ایک نوجوان صحابی جابرؓ آپ کے سامنے آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ان کا چہرہ اپنے باپ کی شہادت کی وجہ سے مغموم ہے۔ فرمایا جابر! کیا میں تمہیں ایک خوشی کی خبر سناؤں۔ جابر نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا جب تمہارے والد شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بے حجابانہ کلام فرمایا اور فرمایا کہ جو مانگنا چاہتے ہو مانگو۔ تمہارے باپ نے عرض کیا۔ اے اللہ تیری کسی نعمت کی کمی نہیں ہے لیکن خواہش ہے کہ پھر دنیا میں جاؤں اور تیرے دین کے رستہ میں پھر جان دوں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہم تیری اس خواہش کو بھی ضرور پورا کر دیتے۔ لیکن ہم عہد کر چکے ہیں کہ اِنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ یعنی کوئی مردہ پھر زندہ ہو کر اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ تمہارے والد نے کہا تو پھر میرے بھائیوں کو میری حالت سے اطلاع دی جائے تاکہ ان کی جہاد کی رغبت ترقی کرے اس پر یہ آیت اتری۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ یعنی جو لوگ خدا کے رستہ میں شہید ہو جاتے

---

[1] ابن ہشام و تاریخ الخمیس

ہیں۔ تم انہیں مردہ نہ سمجھا کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس خوشی کی زندگی گذار رہے ہیں [1]

اسلامی قانون ورثہ

اس جنگ میں چونکہ ستر کے قریب صحابہ شہید ہو گئے تھے اور قدیم عرب کے رواج کے مطابق کسی متوفی کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کے جدی اقربا جائداد پر قابض ہو جاتے تھے اس لئے اس موقعہ پر وراثت کے متعلق سورہ نساء کی آیات نازل ہوئیں۔

غزوہ حمراء الاسد

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی اتنے ہی کو غنیمت سمجھ کر مکہ کی طرف چل پڑے تھے۔ اب جبکہ چند میل کا سفر طے چکے تو رستے میں خیال آیا کہ ہم مکہ جا کر فتح کا کیا نشان دکھائیں گے۔ نہ ہم نے محمد (ﷺ) کو مارا نہ مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنایا۔ نہ کوئی قیدی ساتھ لائے اور نہ ان کے مال و متاع پر قابض ہوئے آخر ہم مکہ جا کر کیا پیش کریں گے۔ یہ سوچ کر پھر لوٹے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی کسی طرح اطلاع مل گئی۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ صرف وہی لوگ نکلیں جو جنگ احد میں شریک ہوئے تھے چنانچہ اگلے ہی دن آٹھ میل کا سفر طے کر کے آپ حمراء الاسد پہنچ گئے۔

---

[1] ترمذی و ابن ماجہ بحوالہ زرقانی

ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو جب آنحضرت ﷺ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو فوراً کوچ کا حکم دے دیا۔

حرمت شراب

گو آنحضرت ﷺ نے اپنی فطرت صحیحہ کے باعث شراب کبھی نہیں پی تھی مگر ابھی تک چونکہ شراب کی حرمت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ صحابہؓ کو شراب سے روکتے بھی نہیں تھے۔ بالآخر جنگ احد کے بعد ۳ ہجری کے آخر یا ۴ ہجری کے شروع میں شراب کی حرمت [1] کا قطعی حکم آ گیا۔ ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ جب شراب حرام کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو ارشاد فرمایا کہ جاؤ اور جا کر مدینہ کی گلیوں میں اس کا اعلان کر دو۔ چنانچہ چند صحابہ جو ایک مکان میں شراب پی رہے تھے۔ جب ان کے کانوں میں اس شخص کی آواز پڑی تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ پہلے تحقیق تو کر لو کہ کیا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ بلکہ فوراً سب نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور شراب نوشی سے دفعتاً رک گئے [2]

جنگ احد کے بعد قبائل عرب کی جرات

جنگ احد کے بعد قبائل عرب میں اسلام کے خلاف شورش بہت بڑھ گئی اور متعدد قبائل آپ کے ساتھ برسرپیکار ہونے کے لئے تیار ہو

---

[1] زرقانی حالات غزوہ احد [2] بخاری کتاب التفسیر

گئے۔ قبیلہ اسد اور بنو لحیان نے مدینہ پر چھاپہ مارنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ مگر ہر دو کے سدباب کے لئے آپ نے فوراً انتظام فرمادیا۔

واقعہ رجیع۔ صفر ۴ ہجری

یہ دن مسلمانوں کے لئے بہت خطرہ کے دن تھے ہر طرف سے متوحش خبریں آرہی تھیں۔ کفار مکر سے فریب سے دغا اور ظلم سے غرضیکہ جس طرح بھی ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انہی ایام کا ذکر ہے کہ قبائل عضل اور قارۃ کے چند آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبائل کے لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں آپ مہربانی فرما کر چند آدمی ہمیں دین سکھانے کے لئے ہمارے پاس بھیج دیں [1] آپ نے دس قاریوں کی ایک پارٹی بھیج دی۔ جب یہ پارٹی مقام رجیع پر پہنچی تو قبیلہ بنو لحیان کے دو سو سواروں نے ان پر حملہ کر دیا یہ صحابی فوراً ساتھ کے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آٹھ تو ان میں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ لیکن دو نے جن کے نام خبیبؓ بن عدی اور زید بن دثنہ تھے۔ کفار کے وعدہ پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا۔ مگر انہوں نے ان کے اترتے ہی بدعہدی کر کے ان کو اپنی تیر کمانوں کی تندیوں سے جکڑ لیا۔ اور اہل مکہ کے ہاتھ جا کر بیچ دیا۔ چنانچہ خبیبؓ کو تو حارث بن عامر کے لڑکوں نے خرید لیا۔ کیونکہ ان کے باپ کو خبیبؓ نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا اور

---

[1] زید کوا ابن ہشام و ابن سعد

صفوان بن امیہ نے خرید لیا [1]

دوران قیدہی کا واقعہ ہے کہ ایک دن خبیبؓ نے اپنی ضرورت کے لئے حارث کی ایک لڑکی سے استرا مانگا۔ اس نے دے تو دیا۔ لیکن ایسا ہوا کہ اسی وقت بنت حارث کا ایک خورد سالہ بچہ کھیلتا ہوا خبیبؓ کے پاس آ گیا۔ انہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھالیا۔ بچے کی ماں تو اسے اس حالت میں دیکھ کر کانپ اٹھی اور اس نے سمجھا کہ اب بچے کی خیر نہیں۔ خبیبؓ فوراً سمجھ گئے اور فرمانے لگے " کیا تم یہ خیال کرتی ہو کہ میں اس بچے کو قتل کردونگا؟ نہیں انشاء اللہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا"

حضرت خبیبؓ کے اعلیٰ اخلاق سے وہ عورت اس قدر متاثر تھی کہ وہ ہمیشہ بعد میں کہا کرتی تھی کہ ایسا اچھا قیدی میں نے اپنی ساری عمر میں کوئی نہیں دیکھا۔ پھر جب خبیبؓ کو قتل کرنے کے لئے باہر کھلے میدان میں لے گئے۔ تو آپ نے توجہ اور حضور قلب سے دو رکعت نماز جلد جلد پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا۔ " میرا دل تو چاہتا تھا کہ میں نماز کو ذرا اور لمبا کروں مگر اس خیال سے کہ یہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا ہے۔ میں نے جلدی کی ہے۔ اس کے بعد خبیب نے یہ شعر پڑھتے ہوئے اپنی گردن جھکادی ۔

وَمَا اِنْ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِی

---

[1] ابن ہشام وابن سعد

وَ ذَالِكَ فِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَ اِنْ يَّشَاء
يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

"یعنی جب میں اسلام کی راہ میں اور مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے یہ پرواہ نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل ہو کر گروں۔ یہ سب کچھ خدا کے لئے ہے اور اگر میرا خدا چاہے گا تو میرے جسم کے پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکات نازل کرے گا۔"

دوسری طرف زیدؓ بن دثنہ پر جب تلوار چلنے لگی تو ابوسفیان نے کہا "کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ تم بچ جاؤ اور محمد ﷺ قتل کئے جائیں" زید کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور فوراً غضبناک ہو کر بولے "ابوسفیان تم یہ کیا کہتے ہو۔ خدا کی قسم میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے بچنے کے عوض میں رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔" روایت ہے کہ ابوسفیان اس وقت بے اختیار ہو کر بولا "واللہ میں نے کسی شخص کو کسی شخص کے ساتھ ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا۔ جتنی کہ اصحاب محمد (ﷺ) کو محمد (ﷺ) سے ہے[1]

واقعہ بئر معونہ۔ صفر ۴ ہجری

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بئر معونہ کا ہے جو صفر ۴ ہجری میں ہوا۔ بنی عامر اور بنی سلیم قبیلہ ہوازن میں سے تھے۔ ان کا رئیس ابوبراء آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ

[1] ابن ہشام و ابن سعد

میرے ساتھ اپنے چند قاری نجد کی طرف روانہ کریں۔ تو مجھے امید ہے کہ نجدی لوگ ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے فرمایا مجھے تو اہل نجد سے بد اعتمادی کی بو آ رہی ہے۔ مگر ابو براء نے یقین دلایا کہ نہیں میں ذمہ دار بنتا ہوں۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ آپ بے شک اپنے ساتھیوں کو بھیج دیں۔ چنانچہ آپ نے ستر قاری بھیج دیئے اور جب وہ بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبائل بنو سلیم' بنو اعلیٰ اور بنو ذکوان وغیرہ کا ایک خاصہ جرار لشکر ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ انہوں نے تمام مبلغین کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا۔ صرف کعب بن زید بچے۔ جنہیں کفار نے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا [۱]

البتہ دو قاری عمرو بن عمیہ ضمیری اور منذر بن محمدی بھی جو اس وقت اونٹوں کے چرانے کے لئے ادھر ادھر گئے ہوئے تھے بچ گئے۔ لیکن ان دونوں نے جب ڈیرہ کی طرف نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ فوراً تاڑ گئے کہ معاملہ دگرگوں نظر آتا ہے۔ آپس میں مشورہ کیا۔ ایک نے کہا کہ اب ہمارا وہاں جانا چنداں مفید نہیں ہے۔ ہمیں مدینہ جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینی چاہیئے۔ مگر دوسرے نے کہا میں تو بھاگ کر نہیں جاؤنگا بلکہ جہاں ہمارا امیر منذر بن عمرو شہید ہوا ہے وہیں جا کر شہادت کا جام پیونگا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر لڑا اور شہید ہو گیا [۲] دوسرا بھی قید تو ہوا لیکن کسی طرح سے بچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ

[۱، ۲] ابن ہشام

خبر پہنچی تو آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ برابر تیس دن تک ہر روز صبح کی نماز کے قیام میں نہایت گریہ وزاری کے ساتھ قبائل اعلیٰ اور رذکوان اور عصیہ اور بنو لحیان کا نام لے لے کر خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی کہ یا الٰہی تو ان لوگوں کے ہاتھوں کو روک جو تیرے دین کو مٹانے کیلئے اس بے رحمی اور سنگدلی سے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں [1]

اخراج بنو نضیر۔ ربیع الاول ۴ ہجری

باوجود اس بات کے کہ بنو نضیر شروع ہی سے آنحضرت ﷺ کے معاہد تھے۔ انہوں نے قریش مکہ کے ساتھ برابر سازباز رکھی اور ایک دفعہ تو یہاں تک جرأت کی کہ آنحضرت ﷺ جب اپنے چند صحابہ کے ساتھ بنو نضیر کی آبادی میں پہنچے تو جس دیوار کے ساتھ آپ بیٹھے تھے اس پر سے ایک بڑا وزنی پتھر آپؐ پر گرانے کا انہوں نے مکمل انتظام کر لیا۔ مگر یہود کے اس بد ارادے سے بذریعہ وحی الٰہی آپ کو اطلاع مل گئی اور آپؐ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے گئے۔ آپ نے ان کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ چونکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں میں حد سے بڑھ گئے ہیں اس لئے اب ان کا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ چنانچہ محمد بن مسلم۔ جب آنحضرت ﷺ کا پیغام لے کر ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے بڑے متمردانہ انداز میں جواب دیا کہ ہم مدینہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تمہاری جو مرضی ہو کر لو۔ آنحضرت ﷺ صحابہ کی جمعیت لے کر

---

[1] بخاری ابواب بئر معونہ روایت ابو طلحہ عن انسؓ

بنو نضیر کے خلاف میدان جنگ میں نکل آئے [1] اور پندرہ روز تک برابر محاصرہ کئے رکھا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر اس شرط پر دروازے کھول دیئے کہ ہمیں اپنا ساز و سامان ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ہم مدینہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں [2] آنحضرت ﷺ کا تو مقصد ہی ان کی شرارتوں کا سد باب تھا۔ آپؐ نے فوراً ان کی اس شرط کو منظور فرمالیا اور اس طرح سے یہ قبیلہ بھی مدینہ سے نکل گیا [3]

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی

اسی سال ام المومنین زینبؓ جن کے خاوند حضرت عبداللہؓ بن جحش جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے اور وہ بالکل بے سہارا رہ گئی تھیں۔ آپ نے صلہ رحمی کے طور پر ان سے نکاح کر لیا۔ مگر وہ جلد ہی انتقال کر گئیں۔ حضرت زینبؓ نہایت ہی نیک اور پارسا بی بی تھیں اور صدقہ و خیرات اور غرباء پروری کی وجہ سے عام طور پر ام المساکین کے نام سے مشہور تھیں [4]

ولادت امام حسینؓ شعبان ۴ ہجری

اس سال ماہ شعبان میں حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کے ہاں دوسرا بچہ پیدا ہوا، آنحضرت ﷺ نے حسین نام رکھا۔ آپ ان سے بھی ویسے

---

[1] ابن ہشام و ابن سعد [2] ابن ہشام و ابن سعد [3] غزوہ بنو نضیر کا واقعہ تفصیل کیساتھ سورہ حشر میں بیان ہوا ہے۔ [4] زرقانی جلد ۳ حالات زینب بنت خزیمہ

ہی محبت کیا کرتے تھے جیسے حضرت امام حسنؓ سے۔حدیث میں آتا ہے کہ بعض اوقات نماز کے دوران میں جب آپ سجدہ میں ہوتے تو امام حسینؓ آپ پر سوار ہو جاتے اور جب تک وہ خود بخود نہ اتر آتے۔ حضور سجدہ سے سر نہ اٹھاتے تھے۔ یہی حضرت امام حسینؓ ہیں جو یزید بن معاویہ کے زمانہ میں ۶۱ ہجری کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو ایک مظلوم حالت میں شہید ہو کر اپنے مولا حقیقی سے جا ملے اور جن کی شہادت کی یاد میں آج تک شیعہ ماتم کرتے ہیں اور تعزیئے نکالتے ہیں۔

غزوہ بدر الموعد۔ ذوقعدہ ۴ ہجری

جنگ احد میں ابو سفیان نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر ہماری تمہارے ساتھ جنگ ہوگی۔اس لئے آنحضرت ﷺ تو ڈیڑھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ اگلے سال بدر پر پہنچ گئے۔ مگر ابو سفیان کو مقابلہ کی جرات نہیں ہوئی۔

حضرت ام سلمہؓ سے شادی شوال ۴ ہجری

حضرت ام سلمہؓ قریش کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے خاوند حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد جو بڑے شہسوار تھے۔ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ احد میں زخمی ہوئے جس کی وجہ سے وفات پائی۔ یہ آپ کے رضاعی بھائی تھے اور ان کے اخلاص کا یہ حال تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے جنازہ میں بجائے چار تکبیروں

کے ۹ تکبیریں پڑھیں۔ اور فرمایا کہ یہ تو ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔ ان کی وفات کے بعد جب حضرت ام سلمہؓ بیوہ رہ گئیں تو ان کی ذاتی نیکی اور قابلیت کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ ان کا خاوند ایک نہایت ہی مخلص صحابی تھا اور یہ بھی ایک قابل اور ہوشیار عورت ہیں ان کی دلداری کی خاطر خود نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے پہلے تو اپنی عمر کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے عذر کیا۔ مگر آخر مان گئیں۔ حضرت ام سلمہؓ نہایت قابل معاملہ فہم اور ذکی تھیں۔ آپؓ پڑھنا بھی جانتی تھیں۔ مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے خاص حصہ لیا ہے۔ کتب احادیث میں بہت سی روایات ان سے مروی ہیں۔ انہوں نے غیر معمولی طور پر لمبی عمر پائی اور یزید بن معاویہ کے زمانہ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ ان کی رائے کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آپ پڑھیں گے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو عمرے کا قصد چھوڑنے' قربانیاں کرنے اور سر منڈانے کا ارشاد فرمایا تو صحابہؓ نے کچھ تامل کیا۔ یہ محسوس کر کے آپ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے حال کا ذکر کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا۔ آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ بلکہ اپنا سر منڈائیں اور قربانی کر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ نے فوراً تعمیل کی اور اس بے تابی سے کی کہ معلوم ہوتا تھا۔ سر منڈانے نہیں بلکہ کٹوانے جا رہے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ وہ پہلی عورت ہیں جنہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ۱

غزوہ دومۃ الجندل۔ ربیع الاول ۵ ہجری

اب تک جو جنگیں مسلمانوں کو کرنا پڑیں وہ محض دفاع کے طور پر تھیں لیکن مومن کا فرض چونکہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ ہی کو مصیبت سے بچائے بلکہ اس کے ذمہ یہ بھی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ کہ وہ ظالم کے مقابلہ میں ہمیشہ مظلوم کی امداد کرے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ دومۃ الجندل میں ایک ڈاکوؤں کا سفاک گروہ اکے دکے مسافروں اور چھوٹے چھوٹے قافلوں پر حملہ کر کے انہیں تنگ کرتا اور ان کا مال متاع لوٹ لیتا ہے اور ساتھ ہی یہ خطرہ بھی لاحق ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ کا رخ کر کے مسلمانوں کے لئے بھی پریشانی کا موجب نہ ہوں ۲ تو آنحضرت ﷺ ایک ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر پندرہ سولہ دن کی مسافت طے کر کے شام کی سرحد پر دومۃ الجندل کے قریب پہنچے۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی آمد کی خبر پا کر وہ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے ہیں۔

---

۱ اس موقعہ پر جمع قرآن اور ترتیب قرآن کے متعلق ایک نہایت ہی مفید اور قیمتی نوٹ کے لئے ملاحظہ فرمایئے سیرت خاتم النبیین حصہ دوم ص ۳۸۷ تا ۳۹۶

۲ ابن سعد

تزویج زینب بنت جحش۔۵ ہجری

حضرت زینبؓ بنت جحش آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور باوجود متقی اور پرہیزگار ہونے کے اپنے خاندان کی بڑائی کا احساس کسی قدر ان میں پایا جاتا تھا مگر آنحضرت ﷺ جو ذاتی خوبی اور تقویٰ و طہارت کو ہی بڑائی کا معیار قرار دیتے تھے۔ آپ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کر دی اور گو حضرت زینبؓ نے ہر طرح شرافت سے نبھاؤ کیا۔ مگر زید نے اپنے طور پر محسوس کیا کہ زینبؓ بوجہ ایک معزز خاندان کی لڑکی ہونے کے اسے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں زینبؓ کو طلاق دے دوں۔ کیونکہ میرا اور ان کا نبھاؤ مشکل ہے [۱]۔ آنحضرت ﷺ کو یہ بات طبعاً ناگوار گذری۔ کیونکہ آپ نے خود یہ شادی کروائی تھی۔ اس لئے آپ نے زید کو نصیحت فرمائی کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ [۲] یعنی اے زیدؓ! اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور تقویٰ اختیار کرو مگر آسمان پر چونکہ یہ بات مقدر ہو چکی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی کے زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے زیدؓ نے حضرت زینب کو طلاق دیدی اور آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کے ماتحت انہیں اپنے عقد میں لے لیا۔ چنانچہ چار سو درہم مہر مقرر

---

۱ بخاری کتاب التوحید ۲ سورہ احزاب:۳۸

ہوا اور حضرت زینبؓ کے بھائی ابو احمد بن جحش نے اس نکاح کے وقت ولی کے فرائض سرانجام دیئے ؎۱

ہمارے لئے اس نکاح سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ زیدؓ کے ساتھ نبھاؤ کرنے میں حضرت زینب کا کوئی قصور نہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کے قصوروار ہونے کی صورت میں انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے زید کی بجائے آنحضرت ﷺ جیسا افضل ترین انسان بطور خاوند مل جاتا۔

ایک فائدہ اس نکاح کا یہ بھی ہوا کہ اہل عرب اپنے متبنے کی بیوی سے نکاح کرنا اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھتے تھے۔ اب آنحضرت ﷺ کے خود ایسا کرنے سے عرب کی یہ جاہلانہ رسم مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیش کے لئے مٹ گئی اور یہی اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا۔

احکام پردہ کا نزول

اس نکاح کا خاص طور پر اعلان کرنے کے لئے آپ نے حضرت زینبؓ کا ولیمہ دوسری تمام بیویوں کی نسبت زیادہ وسیع پیمانہ پر کیا ؎۲ چونکہ ابھی تک پردہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے صحابہؓ کرام بے تکلف آئے اور کھانا کھانے کے بعد بھی بعض لوگ کافی دیر تک ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول رہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔ آخر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو

؎۱ سیرت ابن ہشام جلد ۳ حالات ازدواج ؎۲ بخاری کتاب النکاح

اٹھتے دیکھ کر اکثر صحابہ تو آپ کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر تین شخص پھر بھی بیٹھے باتیں کرتے رہے اور ان کو اس بات کا خیال ہی نہ رہا کہ آنحضرت ﷺ کو اس امر سے تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ کا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی طبیعت میں چونکہ حیا کا مادہ بہت تھا اس لئے آپ انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ آخر کافی دیر کے بعد وہ لوگ اٹھے۔ مگر یہ واقعہ احکام الٰہی کے نزول کا ایک محرک بن گیا اور پردہ کے متعلق وہ ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن سے مسلمان عورتوں پر پردہ کی پابندی عاید کی گئی۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ کے بعد سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۱) ۔ يَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذَالِكَ أَدْنَىٰٓ أَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

یعنی "اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھیں تاکہ وہ پہچانی نہ جائیں اور ستائی نہ جائیں اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

اسی طرح سورہ نور میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے قدرے تفصیل کے ساتھ احکام نازل فرمائے۔

(۲) ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ

يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذَالِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ○

یعنی مومنوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنے فروج کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اللہ خوب واقف ہے۔ اس سے جو تم کرتے ہو۔ مومن عورتوں کو کہو وہ بھی اپنی آنکھیں نیچی رکھیں تاکہ وہ اپنے فروج کو بدی سے محفوظ رکھ سکیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر وہی جو ظاہر ہو جائے اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کو ڈالیں اپنے گریبانوں پر اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپوں پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں پر۔ یا اپنے

بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر۔ یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر یا ایسے مردوں پر جو کام کاج کرنے والے ہوں اور جن میں شہوت نہ ہو۔ اور ایسے لڑکوں پر جن کو عورتوں کی پوشیدہ باتوں پر آگاہی نہ ہو۔ اور نہ ماریں پیر اپنے اس طرح کہ اپنی زینت کی چھپی ہوئی چیزیں ظاہر کریں۔ اے مومنو اسب خدا کی طرف جھک جاؤ تاکہ کامیاب ہو جاؤ (یعنی جو باتیں بتائی گئی ہیں یہ کامیابی کے گر ہیں۔ ان پر عمل کرو تاکامیاب ہو جاؤ)

ان آیات سے مندرجہ ذیل باتوں کا استنباط ہوتا ہے۔

اول۔ عام طور پر قرآن کریم کا یہ طریق ہے کہ جو حکم مردوں کو دیا جاتا ہے۔ عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں مگر یہاں عورتوں کو الگ حکم دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بدی ایسی ہے جو دونوں جنسوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔

دوم۔ عورتوں کے لئے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے الفاظ میں یہ بتایا کہ جو جگہ اپنے آپ ظاہر ہوتی ہے وہ جائز ہے۔ ان پر حکمت اور جامع الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اعضاء کی تخصیص کو بالکل اڑا دیا ہے۔ یعنی یہ نہیں بتایا کہ فلاں فلاں عضو کا ظاہر ہونا جائز ہے۔ بلکہ عورتوں کو فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں پردہ کا حکم دیا ہے اور جو حصہ تم مجبوراً نہیں ڈھانپ سکتیں اس کے کھلا رہنے سے تم پر کوئی حرج نہیں لیکن جو حصہ تم ڈھانپ سکتی ہو۔ اس کا پردہ تمہیں ضرور کرنا چاہئے۔ اب دیکھ لو ایک دیہاتی غریب عورت ہے وہ جب تک کاروبار میں اپنے مرد کا ہاتھ نہ بٹادے ان کا گذارہ ہی

نہیں چل سکتا لہٰذا کام کرتے وقت اس کے ہاتھ اور پاؤں ضرور ظاہر ہوں گے اس لئے وہ مجبور ہے لیکن ایک عورت شہر میں رہتی ہے۔ امیر گھرانے کی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے پردہ کا التزام کرے۔

پس حالات کے مطابق گاؤں اور شہروں کا پردہ الگ الگ ہوگا اور پھر شہر کی امراء عورتوں کا الگ اور غرباء کا الگ۔

باقی رہا ہندوستان کا پردہ تو یہ شرعی پردہ نہیں ہے۔ اس سے عورت کی جائز آزادی پر ایک کاری ضرب لگائی گئی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے عورت اپنے مناسب حال پردہ کی رعایت رکھتے ہوئے تمام دینی و دنیوی امور میں حصہ لے سکتی ہے۔ ہاں اسے کھلے منہ پھرنے اور مغربی طریق کے مطابق غیر محرم مردوں سے اکیلے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

احادیث اور تاریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کرام کے زمانہ میں عورتیں علمی مجالس میں شریک ہوتی تھیں۔ دوسرے مردوں سے پردہ کی رعایت کے ساتھ مسائل سیکھتی تھیں انہیں سکھاتی تھیں۔ وہ قومی کاموں میں مشورہ دیتی تھیں۔ وہ سفروں میں مردوں کے ساتھ جاتی تھیں۔ وہ سواری کرتی تھیں۔ وہ تفریحی تماشے دیکھتی تھیں۔ وہ جنگوں میں شریک ہو کر زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں غرضیکہ اسلامی تعلیم کی رو سے نہ تو عورت کو بالکل قید ہی کی زندگی پر مجبور کیا گیا ہے اور نہ اسے مغربی تہذیب کے مطابق بالکل بے حجاب ہی چھوڑا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

آج کل پردہ پر حملے کئے جاتے ہیں لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسلامی پردہ سے مراد زندان نہیں بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہو گا ٹھوکر سے بچیں گے۔ ایک منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں میں جہاں مرد و عورت اکٹھے بلا تامل اور بے محابا مل سکیں۔ سیریں کریں۔ کیونکر جذبات نفس سے اضطراراً ٹھوکر نہ کھائیں گے۔ بسا اوقات دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ ایسی قومیں غیر مرد اور عورت کے ایک مکان میں تنہا رہنے کو حالانکہ دروازہ بھی بند ہو کوئی عیب نہیں سمجھتیں۔ یہ گویا تہذیب ہے۔ انہی نتائج کو روکنے کے لئے شارع اسلام نے وہ باتیں کرنے کے اجازت ہی نہ دی جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔"

(۲)۔ "اسلامی پردہ سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عورت جیل خانہ کی طرح بند رکھی جائے۔ قرآن شریف کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں ستر کریں وہ غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔ جن عورتوں کو باہر جانے کی ضرورت تمدنی امور کے لئے پڑے ان کو گھر سے باہر نکلنا منع نہیں ہے۔ وہ بیشک جائیں لیکن نظر کا پردہ ضروری ہے۔" (ملفوظات)

حضرت زینبؓ کی بعض نمایاں خوبیاں

حضرت زینب کا تقویٰ و طہارت میں وہ بلند مقام تھا کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ "میں نے زینبؓ سے زیادہ نیک عورت کبھی نہیں دیکھی۔ وہ بہت متقی۔ بہت راست گو۔ بہت صلہ رحمی کرنے والی۔ بہت صدقہ و خیرات کرنے والی اور نیکی اور تقرب الٰہی کے اعمال میں نہایت سرگرم تھیں۔"[۱]

صدقہ و خیرات میں بھی آپؓ نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اَسْرَعُكُنَّ لَحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا[۲] یعنی تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے وہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچے گی۔"

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے اس سے ظاہری ہاتھ سمجھ کر ایک دوسری سے اپنے ہاتھ ناپے مگر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت زینبؓ کا سب سے پہلے انتقال ہوا۔ تو تب جا کر ہم پر یہ راز کھلا کہ ہاتھ سے مراد صدقہ و خیرات کا ہاتھ تھا نہ کہ ظاہری ہاتھ۔

غزوہ بنو مصطلق۔ شعبان ۵ ہجری

شعبان ۵ ہجری میں آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو مصطلق

---

[۱] مسلم جلد ۲ باب فضل عائشہ [۲] بخاری و مسلم

مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑے زور شور سے تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے فوراً صحابہ کی ایک کافی جمعیت ساتھ لی اور بڑی تیز رفتاری سے مریسیع کے مقام پر پہنچے [۱] جس کے قریب ہی بنو مصطلق کا قیام تھا تو آپ نے فوج کو ڈیرہ ڈالنے کا حکم دیدیا۔ اور بنو مصطلق کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر وہ اب بھی اسلام کی عداوت سے باز آجائیں تو مسلمان واپس لوٹ جائیں گے۔ مگر انہوں نے سختی سے انکار کیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے [۲] مگر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

جنگ کے اختتام کے بعد چند دن تک آنحضرت ﷺ نے مریسیع میں قیام فرمایا۔ مگر اس دوران میں ایک ایسا ناگوار واقعہ پیش آیا۔ جس سے قریب تھا کہ کمزور مسلمانوں میں خانہ جنگی تک نوبت پہنچ جاتی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عمرؓ کا ایک نوکر جہجاہ نامی اور انصار کا ایک حلیف سنان نامی مریسیع کے مقامی چشمہ پر پانی لینے گئے۔ یہ دونوں جاہل اور عامی آدمی آپس میں جھگڑ پڑے اور اپنے اپنے گروہ کو مدد کے لئے پکارا قریب تھا کہ انصار اور مہاجرین میں سے جاہل نوجوان ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جاتے مگر بعض سمجھدار اور مخلص مہاجرین اور انصار نے بیچ میں پڑ کر صلح صفائی کروادی۔ آنحضرت ﷺ کو جب خبر پہنچی تو حضورؐ نے بھی اسے ایک جاہلیت کا مظاہرہ قرار دے کر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ لیکن

---

[۱] مریسیع ساحل سمندر کے قریب مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ [۲] زرقانی حالات غزوہ مریسیع

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کو فتنہ پیدا کرنے کا ایک موقعہ ہاتھ آگیا۔ اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف خوب اکسایا اور کہا کہ اگر تم ان مسلمانوں کو پناہ نہ دیتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اس بدبخت نے یہاں تک کہا کہ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ یعنی دیکھو تو مدینہ پہنچ کر عزت والا شخص ذلیل شخص کو باہر نکال دیتا ہے یا نہیں [1] حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اس کی گردن اتار دی جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے انہیں منع فرمایا۔ عبداللہ بن ابی کے لڑکے حباب کو جب اس امر کا علم ہوا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر میرے باپ کے قتل کا حضور نے فیصلہ فرمایا ہے تو مجھے حکم دیں تا میں اپنے باپ کے قاتل کو جاہلیت کے جوش کی وجہ سے کوئی نقصان نہ پہنچا سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ ہم تمہارے باپ سے نرمی اور احسان کا معاملہ کریں گے [2] لیکن جب لشکر کو کوچ کا حکم ملا تو حباب (جس کا نام آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھ دیا تھا) اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا رستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہیں واپس نہیں جانے دوں گا۔ جب تک تم اقرار نہیں کرو گے کہ رسول اللہؐ معزز ہیں اور تم ذلیل ہو۔ عبداللہ بن ابی کو مجبوراً یہ الفاظ کہنے پڑے جس پر اس کے لڑکے عبداللہ (سابق حباب) نے اس کا رستہ چھوڑ دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ

---

[1] ابن ہشام وطبری [2]

وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

واقعہ افک

اس غزوہ میں منافقین کی شرارت اور فتنہ پردازی کا ایک اور خاص واقعہ قابل ذکر ہے اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے جانے کا واقعہ ہے جو اس سفر کی واپسی میں پیش آیا [1] اور یہ تہمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل ایسی تھی جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم اور حضرت رامچندر جی مہاراج کی بیوی حضرت سیتاجی پر بدباطن لوگوں نے لگائی تھی۔ بخاری میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق مفصل روایت بیان ہوئی ہے مگر چونکہ یہ مختصر سا رسالہ اتنے مفصل بیان کے درج کئے جانے کی گنجائش نہیں رکھتا اس لئے اسے نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس سفر سے واپسی پر جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک دن آنحضرت ﷺ نے رات کے وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ میں یہ سن کر حوائج انسانی سے فارغ ہونے کے لئے باہر چلی گئی۔ جب واپس آئی تو دیکھا کہ میرے گلے کا ہار کہیں گر گیا ہے پھر واپس جا کر اس ہار کی تلاش میں مصروف ہو گئی اور اسی تلاش میں اتنی دیر ہو گئی کہ قافلہ چل پڑا۔ اور چونکہ میں اس زمانہ میں بہت دبلی پتلی ہوتی تھی۔ اس لئے میرے ہودہ اٹھانے والوں نے مجھے اندر ہی سمجھ کر ہودے کو اٹھا

---

[1] بخاری کتاب المغازی

کر اونٹ پر رکھ دیا۔ جب میں واپس آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میدان خالی پڑا ہے۔ میں بہت پریشان ہوئی اور یہ خیال کر کے کہ جب لوگوں کو میرے پیچھے رہ جانے کا علم ہوگا تو ضرور واپس آئیں گے اسی جگہ پر بیٹھ گئی اور بیٹھے بیٹھے قدرے نیند آگئی۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ایک صحابی جس کی ڈیوٹی ہی یہ تھی کہ وہ لشکر کی گری پڑی چیزوں کی حفاظت کے لئے پیچھے رہتا تھا۔ میرے پاس سے گذرا اور چونکہ اس نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ فوراً پہچان لیا اور بے اختیار اس کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے الفاظ نکلے۔ میں اس کی اس آواز سے جاگ پڑی اور اٹھتے ہی اپنا منہ اوڑھنی سے ڈھانک لیا اور خدا کی قسم اس نے میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ صرف اونٹ کو لا کر میرے قریب بٹھا دیا اور میں اس پر سوار ہو گئی اور وہ بیچارہ مہار کو تھامے ہوئے لشکر اسلامی میں پہنچ گیا۔ بس یہ وہ قصہ ہے جس پر ہلاک ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے ہلاک ہونا تھا اور اس بہتان کا بانی مبانی عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

مدینہ پہنچ کر میں اتفاقاً بیمار ہو گئی اور متواتر ایک ماہ تک بیمار رہی۔ اس اثنا میں اس تہمت کا لوگوں میں بہت چرچا ہو گیا۔ مگر مجھے قطعاً کوئی خبر نہیں تھی ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ آنحضرت ﷺ میرے ساتھ پہلے کی طرح خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتے تھے اور مجھے اس بات سے سخت تکلیف رہتی تھی۔ جب مجھے ایک عورت سے اس قصہ کا علم ہوا تو میں آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر کچھ عرصہ کے لئے اپنے والدین کے

گھر چلی گئی اور وہاں جاکر تو میرا یہ حال رہا کہ آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔ اور نیند حرام ہو رہی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ نے جلد کوئی فیصلہ نہ کیا تو میرا جگر پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اسی اثنا میں ایک دن کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے گھر بیٹھے تھے کہ یکدم آپ پر وہ حالت طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت میں ہوا کرتی تھی اور باوجود سردی کے آپ کے چہرے سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ حالت جاتی رہی اور آپ نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دیکھا اور فرمایا "عائشہؓ خدا نے تمہاری بریت ظاہر فرمادی ہے"۔ جس پر میری اماں بے اختیار ہو کر بولیں عائشہ اٹھو اور رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو (میرا دل چونکہ اس وقت خدا کے شکریہ سے لبریز تھا) میں نے کہا میں کیوں آپ کا شکریہ ادا کروں میں تو صرف اپنے رب کی شکر گذار ہوں جس نے میری بریت ظاہر فرمائی ہے۔ اس وقت سورہ نور کی وہ دس آیات نازل ہوئی تھیں جو اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے شروع ہوتی ہیں۔

حضرت جویریہؓ بنت حارث سے شادی

غزوہ بنو مصطلق کے کے قیدیوں میں اس قبیلہ کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھی اور وہ قیدیوں کی تقسیم کی رو سے ایک انصاری صحابی ثابتؓ بن قیس کی سپردگی میں دی گئی تھی۔ وہ اپنی آزادی کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور یہ جتلا کر کہ میں

ایک سردار کی بیٹی ہوں۔ فدیہ کی رقم کی ادائیگی میں آپ سے اعانت کی طلب گار ہوئی۔ آپ نے اس خیال سے کہ یہ ایک سردار کی لڑکی ہے شاید اس کے تعلق سے اس قبیلہ میں اسلام جلد پھیل جائے۔ فدیہ کی رقم اپنی طرف سے ادا کر کے اس سے شادی کر لی [1] جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ صحابہؓ نے جب دیکھا کہ ان کے آقا نے بنو مصطلق کی رئیس زادی کو شرف زوجیت بخشا ہے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سسرال والوں کو قید رکھنا خلاف شان نبوی سمجھا چنانچہ بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو جو ایک سو گھرانوں پر مشتمل تھے یک لخت رہا کر دیا اور جب بنو مصطلق کو آنحضرت ﷺ کے اس احسان کا علم ہوا تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ اور اس طرح سے یہ مبارک خاتون جسمانی طور پر بھی اور روحانی طور پر بھی اسیروں کی رستگاری کا موجب ہو گئی۔ صحابہؓ کا تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کر دینا صاف ثابت کرتا ہے کہ حضرت جویریہ کا آزاد ہو کر آنحضرت ﷺ کے حرم میں داخل ہونا اس قبیلہ کے لئے عزت افزائی کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کو ایسا ہی محسوس کیا اور آنحضرت ﷺ کے حلقہ بگوش غلاموں میں داخل ہو کر عملی رنگ میں اس امتنان کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "جویریہؓ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے" [2] حضرت جویریہ کے ساتھ شادی کر لینا اس امر کی بین مثال ہے کہ آپؐ اس امر کو کبھی پسند نہیں کرتے تھے کہ دشمن کو

---

[1] ابن ہشام و ابو داؤد [2] ابن ہشام حالات غزوہ بنو مصطلق۔ و ابو داؤد کتاب العتق و زرقانی جلد ۳ حالات جویریہ۔

مغلوب کرنے کے بعد ان کے سرداروں کو ذلیل کیا جائے۔

باب ہشتم

جنگ احزاب۔ اخراج بنو قریظہ۔ غزوہ حدیبیہ۔ مختلف بادشاہوں کو دعوت اسلام۔ غزوہ خیبر۔ عمرۃ القضاء اور جنگ موتہ

جنگ احزاب یعنی غزوہ خندق شوال ۵ ہجری

اب ہم آنحضرت ﷺ کے سوانح کے اس حصہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جبکہ عرب کی ساری طاقتوں نے جمع ہو کر اسلام کو مٹانے کے لئے اپنی آخری اور انتہائی کوششوں کو صرف کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جلاوطن یہود نے جو خیبر کے مقام پر جمع ہو گئے تھے تمام عرب کا دورہ کیا۔ قریش مکہ اور قبائل نجد یعنی بنو غطفان اور بنو سلیم تو پہلے ہی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ بقیہ قبائل کو بھی اپنی

ہوشیاری اور عیاری سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ جنگ احد کے کوئی دو سال بعد ابو سفیان کی کمان میں کفار کا یہ جرار لشکر جس کی تعداد کم از کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ اپنی پوری شان و شوکت اور بڑے کروفر سے ایک سیل عظیم کی طرح مدینہ پر اُمڈ آیا۔

ابھی یہ لشکر مکہ سے نکلا ہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کو بھی بعض خاص ذرائع سے اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے فوراً صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے جو عجمی طریق جنگ سے واقف تھے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ اپنے قدرتی وسائل گھنے درختوں، مسلسل چٹانوں اور دیواروں کی وجہ سے تین طرف سے تو محفوظ ہی ہے چوتھی طرف ایک ایسی گہری اور لمبی خندق کھودی جائے جو ہمارے اور دشمن کے درمیان یکدم حملہ کرنے کی صورت میں ایک کامیاب روک بن جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس تجویز کو منظور فرمالیا [1] اور صحابہ کو حکم دے دیا کہ ہر پندرہ صحابی دس دس ہاتھ کا ٹکڑا کھود کر سلمان فارسی کے حسب منشاء خندق تیار کریں [2]۔ چنانچہ خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے خود صحابہ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس وقت صحابہ کی طبائع میں شگفتگی قائم رکھنے کے لئے بسا اوقات آپ یہ شعر پڑھنے لگ جاتے تھے [3]

---

[1] طبری وابن سعد [2] بیہقی بحوالہ فتح الباری جلد ۷ [3] بخاری حالات غزوہ خندق

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَه
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَه

یعنی اے ہمارے مولا اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ بس تو اپنے فضل سے ایسا سامان کر کہ انصار و مہاجرین کو آخرت کی زندگی میں تیری بخشش اور عطا نصیب ہو جائے۔

اس شعر کے جواب میں بعض صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا [۱]

یعنی "ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر یہ عہد کیا ہے کہ ہم ہمیشہ جب تک کہ ہماری جان میں جان ہے۔ خدا کے رستہ میں جہاد کرتے رہیں گے"

ایک صحابی کی روایت ہے کہ جب ہم یہ شعر پڑھ رہے تھے اس قدر بھوک اور پیاس سے ہماری جان تنگ آئی ہوئی تھی کہ ہم لوگ بھوک سے بالکل بے تاب تھے۔ خود آنحضرت ﷺ کا یہ حال تھا کہ آپ نے اس کی تکلیف سے بچنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے [۲]

اس خندق کے کھودتے کھودتے ایک جگہ ایک سخت پتھر آگیا۔ سب بہادر زور آزمائی کر چکے۔ لیکن وہ کسی سے نہ ٹوٹا۔ آخر آنحضرت ﷺ سے عرض کی گئی۔ آپ نے کدال ہاتھ میں لی اور فوراً وہاں تشریف لے گئے اور جاتے ہی اللہ کا نام لیکر اس زور سے اس پتھر پر کدال

---

[۱] بخاری حالات غزوہ خندق [۲] بخاری کتاب المغازی

ماری کہ وہ پتھر کسی قدر شکستہ ہو گیا اور ساتھ ہی اس میں سے ایک شعلہ بلند ہوا جس پر آپ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا کہ مجھے مملکت شام کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم اس وقت شام کے سرخ محلات میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی۔ جس پر پھر ایک روشنی نمودار ہوئی۔ آپ نے پھر اللہ اکبر کہا اور فرمایا اس دفعہ مجھے مملکت فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں اور مدائن کے سفید محلات مجھے نظر آرہے ہیں۔ تیسری دفعہ کدال مارنے پر پھر ایک شعلہ بلند ہوا اور آپ نے فرمایا۔ اب مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں اور خدا کی قسم صنعا کے دروازے اس وقت میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں۔ اس دفعہ وہ پتھر بالکل شکستہ ہو کر گر گیا۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی [1] منافقین تک جب یہ باتیں پہنچیں تو انہوں نے مسلمانوں پر پھبتیاں اڑائیں اور کہنے لگے کہ ڈر کے مارے تو باہر نہیں نکل سکتے اور بھوک سے یہ حال ہو رہا ہے کہ پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے ہیں مگر خواب دیکھو تو قیصرو کسریٰ کے خزانوں کے آرہے ہیں [2]

انہی ایام میں ایک مخلص صحابی جابرؓ بن عبداللہ نے ایک بکری ذبح کر کے آپ کے لئے اپنے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے اس کھانے میں معجزانہ طور پر اس قدر برکت ڈالی کہ سینکڑوں احباب کے کھانا کھا چکنے کے بعد بھی وہ کھانا ختم نہ

---

[1] احمد ونسائی وبیہقی بحوالہ فتح الباری جلد ۷ [2] ابن ہشام

ہوا [1]

خیر کافی ایام کی شبانہ روز محنت کے بعد یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اور ابھی صحابہ اس کام سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ سارے عرب کے مشرکین اور اہل کتاب کا بے پناہ لشکر اپنی طاقت اور غرور کے نشہ میں مخمور مدینہ کے اردگرد چھا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے بھی صحابہؓ کو (جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار بیان کی جاتی ہے) مختلف دستوں میں تقسیم کر کے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مدینہ کے اردگرد ان کی ڈیوٹیاں لگا دیں۔

ادھر ابو سفیان نے یہ چالاکی کی کہ یہود کا قبیلہ بنو قریظہ جو ابھی تک آنحضرت ﷺ کے خلاف کسی کھلم کھلا سازش میں شریک نہیں ہوا تھا اس کے پاس رات کے وقت بنو نضیر کے رئیس حیی بن اخطب کو بھیجا بنو قریظہ کے رئیس کعب بن اسد نے پہلے تو حیی کی بات سننے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب اس نے خوب سبز باغ دکھائے اور چکنی چپڑی باتوں سے اس پر اسلام کی تباہی اور اپنے غلبہ کو بالکل واضح کر دیا۔ بلکہ یہاں تک ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر قریش یوں ہی چلے گئے تو میں خود تمہارے قلعہ میں چلا آؤں گا۔ وہ رضامند ہو گیا اور اپنے قبیلہ کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے مختلف ذرائع سے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر انہوں نے ٹکا سا جواب دے کر کہا کہ "جاؤ محمد (ﷺ)

---

[1] اس معجزہ کی حقیقت کیلئے دیکھئے سیرت خاتم النبیین حصہ دوم ص ۴۵۴

اور ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں"۔

غرض اس قبیلہ کے مشرکین کیساتھ ملنے سے مشرکین کا پلہ اور بھی بھاری ہو گیا اور مسلمان جو پہلے ہی کمزور تھے اور بھی پریشانی میں پڑ گئے اور منافقین کا طبقہ تو برملا کہنے لگا کہ مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا[1] یعنی معلوم ہوتا ہے خدا اور اس کے رسول کے وعدے مسلمانوں کی فتح اور کامرانی کے متعلق یونہی جھوٹے تھے۔ لیکن مومنین کا اخلاص اور بھی بڑھ گیا اور کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہنے لگے هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا[2] یعنی یہ تو سب کچھ خدا اور اس کے رسول کے وعدوں کے مطابق ہے اور خدا اور رسول ضرور سچے ہیں۔ پس اس حملہ سے بھی مسلمانوں کے ایمان و تسلیم میں زیادتی ہی ہوئی۔ مگر موقعہ کی نزاکت اور حالات کے خطرناک پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے مومنین کی کیا حالت تھی؟ قرآن پاک نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ "یاد کرو اس موقعہ کو جب کہ دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے کی طرف سے تم پر ہجوم کر کے آ گیا۔ جبکہ گھبراہٹ کی وجہ سے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم (اپنے اپنے رنگ میں) خدا کی نسبت طرح طرح کے گمانوں میں پڑ گئے۔ وہ وقت مومنوں کے لئے واقعی ایک سخت امتحان کا وقت تھا اور مسلمانوں پر ایک نہایت شدید زلزلہ وارد ہوا تھا[3]

---

[1] سورہ احزاب ع ۲ [2] سورہ احزاب ع ۳ [3] سورہ احزاب ع ۲

محاصرہ کے وقت مسلمانوں کی تکالیف

محاصرہ کے دوران میں مسمانوں کی یہ حالت تھی کہ بوجہ تعداد کم ہونے کے دن رات کی سخت ڈیوٹی نے ان بے چاروں کو تھکاوٹ کی وجہ سے چکنا چور کر دیا تھا۔ دوسری طرف بنو قریظہ کی غداری کی وجہ سے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے بھی اندرونی پہرہ کو مضبوط کرنا پڑا۔ ادھر کفار کا یہ حال تھا کہ جہاں ذرا کمزور جگہ پاتے جھٹ اکٹھے ہو کر اس پر دھاوا بول دیتے۔ مسلمان بیچارے دوڑتے بھاگتے وہاں پہنچتے اور بمشکل انہیں پسپا کرتے۔ عمرو بن عبد ود لشکر کفار میں مشہور پہلوان تھا۔ وہ اپنی پارٹی سے آگے نکل کر انفرادی جنگ کا طالب ہوا۔ ادھر سے حضرت علیؓ فوراً اس کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار انہیں عطا فرمائی اور ساتھ ہی دعا بھی کی [1]۔ تھوڑی دیر کے لئے یہ دونوں جنگجو ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہوئے۔ عمرو اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ کر اس عزم کے ساتھ حضرت علیؓ کی طرف بڑھا کہ بس پل بھر میں گرا دیگا۔ چنانچہ آگے بڑھ کر اس زور سے تلوار چلائی کہ وہ حضرت علیؓ کی ڈھال کو قلم کرتی ہوئی ان کی پیشانی پر لگی اور قدرے زخمی بھی کر دیا مگر اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ایسا زبردست وار کیا کہ تلوار اس کے شانے کو قطع کرتی ہوئی نیچے اتر گئی اور وہ تڑپتا ہوا واصل جہنم ہوا۔

---

[1] ابن سعد جلد ۲

مگر اس انفرادی اور جزوی غلبہ کا عام لڑائی پر کوئی اثر نہیں تھا اور محاصرہ کے لمبا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ان حالات کو دیکھ کر انصار کے رؤسا سے مشورہ مانگا کہ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہم قبیلہ غطفان کو مدینہ کے محاصل میں سے کچھ حصہ دینے کی شرط پر صلح کر لیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اگر تو آپ کو اس بارہ میں کوئی وحی ہوئی ہے تو سر تسلیم خم ہے۔ لیکن اگر آپ نے ہماری تکلیف کو محسوس کر کے ایسا فرمایا ہے تو پھر ہمارا مشورہ یہ ہے کہ جب ہم نے شرک کی حالت میں کبھی دشمن کو کچھ نہیں دیا۔ تو اب مسلمان ہو کر کیوں دیں۔ واللہ ہم انہیں تلوار کی دھار کے سوا کچھ نہیں دیں گے" [1]

یہ وقت مسلمانوں پر ایک سخت مصیبت کا وقت تھا اور بیچارے غم و فکر اور بے چینی کے مارے نڈھال ہو رہے تھے کہ حسن اتفاق سے ایک شخص نعیم بن مسعود جو قبائل غطفان ہی سے تعلق رکھتا تھا مگر دل سے مسلمان تھا مدینہ آنکلا۔ اس نے کمال ہوشیاری سے یہود اور قریش میں پھوٹ پیدا کر دی۔

سب سے پہلے وہ بنو قریظہ کے پاس گیا اور نہایت ہی ہمدردی کے رنگ میں انہیں کہنے لگا کہ تم نے جس بھروسہ پر محمد (ﷺ) سے غداری کی ہے یاد رکھو! یہ قریش تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ یہ

---

[1] ابن ہشام و ابن سعد

محاصرہ چند دن کی بات ہے اس کے بعد یہ تو چلے جائیں گے لیکن مسلمان تمہاری خوب خبر لیں گے۔ تم ان سے یرغمال کے طور پر کچھ آدمی اپنے قبضہ میں کرلو۔ چنانچہ وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے۔ پھر وہ قریش کے پاس گیا اور انہیں بنو قریظہ کے اس ارادہ سے اطلاع دے کر کہا کہ تم یرغمال مت دینا۔ ان کا ارادہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے غداری کریں اور تمہارے یرغمال مسلمانوں کے حوالے کردیں وغیرہ وغیرہ۔

اب اتفاق ایسا ہوا کہ محاصرہ کے لمبا ہونے کی وجہ سے قریش نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم لوگ محاصرہ کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے تنگ آرہے ہیں۔ پس تم کل مل کر آؤ کہ یکدم اکٹھے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کردیں۔ بنو قریظہ تو پہلے ہی نعیم کی بات سے خبردار ہو چکے تھے۔ انہوں نے یہ جواب دیا کہ کل تو ہمارا سبت کا دن ہے۔ اس لئے ہم معذور ہیں اور ویسے بھی جب تک آپ لوگ اس ضمانت کے طور پر کہ آپ کی طرف سے بعد میں ہمارے ساتھ غداری نہیں ہوگی اپنے کچھ آدمی ہمارے حوالہ نہ کردیں ہم اس حملہ میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہوسکتے۔

قریش اور بنو غطفان بنو قریظہ کا یہ جواب سن کر حیران سے رہ گئے اور کہنے لگے کہ واقعی نعیم بن مسعود نے سچ کہا ہے۔ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہم یرغمال نہیں دیتے۔ تمہاری مرضی ہے تو آؤ ورنہ ہم اکیلے مقابلہ کریں گے۔ بنو قریظہ نے کہا کہ واقعی نعیم نے ہمیں

ٹھیک کہا ہے۔ ان کی نیت بخیر نہیں ہے۔

غرض اس طرح نعیم بن مسعود کی حکمت عملی سے کفار کے لشکر میں افتراق و انشقاق کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جس کی وجہ سے ان کے لشکر میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ اور دوسری طرف سے ایسا اتفاق ہوا کہ ان واقعات کے بعد رات کو نہایت سخت آندھی چلی جس نے کفار کے کیمپ میں ایک خطرناک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ خیمے اکھڑ گئے۔ ہنڈیاں الٹ گئیں۔ آگیں بجھ گئیں اور ریت اور کنکروں کی بارش نے لوگوں کے کانوں' آنکھوں اور نتھنوں کو بھر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو پہلے ہی وہم پرست تھے۔ ان مناظر کو دیکھ کر ایسے مرعوب ہوئے کہ پھر کوئی طاقت انہیں سنبھال نہ سکی۔ ابو سفیان نے راتوں رات ہی لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا اور صبح ہونے سے قبل ہی مدینہ کا افق لشکر کفار کے گرد و غبار سے صاف ہو گیا۔ مسلمانوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی تعریف کے گن گائے۔

بنو قریظہ کا اخراج۔ ذو القعدہ ۵ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی غزوہ خندق سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ کشفاً" آپ کو بتایا گیا کہ جب تک بنو قریظہ کی غداری کا فیصلہ نہ ہو جاتا آپ کو ہتھیار نہیں اتارنے چاہئیں تھے۔ چنانچہ آپ نے فوراً صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور انہوں نے جا کر بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے تو بنی قریظہ نے تکبر اور غرور کا اظہار کیا۔ لیکن محاصرہ کی سختی اور

طوالت سے تنگ آگئے تو کعب بن اسد رئیس بنو قریظہ نے قوم کو بلا کر کہا کہ یا تو ہمیں مسلمان ہو جانا چاہئے اور یا عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے تلواریں سونت کر میدان جنگ میں نکل پڑنا چاہئے۔ یا پھر تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمان اپنے آپ کو ہماری طرف سے امن میں سمجھتے ہوں گے۔ ہم قلعہ سے نکل کر ان پر شبخون مارتے ہیں۔ کعب بن اسد کی بات سن کر بنو قریظہ نے کہا کہ پہلی تجویز تو قابل قبول ہی نہیں ہے اور دوسری کو بھی ہم نہیں مانتے۔ کیونکہ عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے ہماری زندگی کسی کام کی نہیں رہے گی اور تیسری تو بالکل ہی خطرناک ہے۔ کیونکہ ہماری قوم آگے ہی سبت کی بے حرمتی کر کے مسخ ہو چکی ہے۔ خیر اس وقت تو یہ معاملہ وہیں کا وہیں رہا۔ لیکن جب محاصرہ کی سختیوں کی وجہ سے قوم میں بالکل ہی تاب مقابلہ نہ رہی تو انہوں نے شفقت و رأفت کے مجسمہ حضرت سرور کائنات کے فیصلہ کو چھوڑ کر اپنے قدیمی حلیف قبیلہ اوس کے رئیس سعدؓ بن معاذ کو حکم تجویز کر کے آنحضرت ﷺ کو کہلا بھیجا کہ "ہم سعد بن معاذ کو اپنا "حکم" مانتے ہیں۔ جو فیصلہ بھی وہ ہمارے متعلق کریں وہ ہمیں منظور ہو گا[1] آنحضرت ﷺ نے اس کو منظور فرمالیا اور سعد کو حکم دیا کہ وہ بنو قریظہ کے متعلق اپنا فیصلہ سنائیں۔

سعدؓ نے جو فیصلہ سنایا وہ یہ تھا کہ " بنو قریظہ کے مقاتل یعنی لڑائی میں شامل ہونے والے لوگ قتل کر دیئے جائیں اور ان کی عورتیں

---

[1] بخاری کتاب المغازی

اور بچے قید کر لئے جائیں اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں"

گو یہ فیصلہ بالکل شریعت موسوی کے مطابق تھا [1] لیکن اگر یہ لوگ خود مجسمہ رحمت سرور کائنات کے فیصلہ پر راضی ہوتے تو آپ غالباً زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ وہ سلوک کرتے جو آپ نے بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا یعنی ان کو بھی جلاوطن کر دیتے۔

خیر سعدؓ کا یہ فیصلہ نافذ کر دیا گیا اور بنو قریظہ کے مرد جو غالباً چار سو کی تعداد میں تھے قتل کر دیئے گئے [2] اور عورتیں اور بچے مع مال غنیمت کے مسلمانوں نے اپنے قبضہ میں کر لئے۔

غزوہ حدیبیہ ۶ ہجری

جنگ احزاب کے بعد گو چند چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں لیکن چونکہ

---

[1] استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰

[2] ترمذی ابواب الجہاد والسیر و ابن ہشام و فی ذکر محیصۃ و حویصۃ۔

نوٹ نمبر۱۔ ۵ ہجری کے واقعات میں شادی اور طلاق وغیرہ کے مسائل بھی ہیں جو اسی سال نازل ہوئے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت خاتم النبین حصہ دوم صفحہ ۵۰۷ تا ۵۲۳۔ نیز صفحہ ۵۲۴ سے لیکر آخر کتاب تک اسلامی حکومت کا مختصر ڈھانچہ ملاحظہ فرمائیے۔

نوٹ نمبر۲۔ اسلامی مساوات کے مختلف پہلوؤں پر ایک نہایت ہی مدلل مضمون کے لئے دیکھئے سیرت خاتم النبین حصہ سوم جزو اول صفحہ ۲۹ تا ۶۶

نوٹ نمبر۳۔ مسئلہ دعا کی وضاحت کے لئے ایک مفصل مضمون ملاحظہ فرمائیے سیرت خاتم النبین حصہ سوم جزو اول از صفحہ ۸۳ تا ۹۸

اسلامی تاریخ پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا اور یوں بھی اس مختصر رسالہ میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کا ذکر کرتے ہیں جو جنگ احزاب کے قریباً ایک سال بعد ۶ ہجری میں واقع ہوئی۔

واقعہ یوں ہے کہ ماہ شوال ۶ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ امن و امان کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے ہیں [1] آپ نے صحابہ کو اس رؤیا سے آگاہ کیا۔ صحابہ بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ انہیں مدت سے خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت کی آرزو تھی۔ اس خواب نے ان کی آرزو کو اور بھی تقویت پہنچائی چنانچہ آپ ماہ ذوالقعدہ ۶ ہجری میں چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے عازم مکہ ہوئے اور گو خانہ کعبہ کا طواف ایک ایسا امر تھا جس سے کبھی کسی خطرناک سے خطرناک دشمن کو بھی نہیں روکا گیا تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کے ساتھ قریش کی دشمنی ان تمام حدود سے تجاوز کر چکی تھی اس لئے مزید احتیاط کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لیا جائے۔ صرف تلواریں لے لی جائیں مگر وہ بھی نیاموں میں رہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جسے عرب اس وقت کے حالات کے مطابق کسی حالت میں بھی چھوڑ نہیں سکتے تھے۔

جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش تو مقابلہ کے لئے آمادہ بیٹھے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خزاعہ کے بدیل نامی کو جو ابھی

---

[1] زاد المعاد جلد اول

اسلام تو نہیں لایا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ کے حامیوں میں سے تھا۔ قریش کی طرف قاصد بنا کر بھیجا کہ وہ ان سے کہہ دیں کہ مسلمان جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے بلکہ ان کا مقصد صرف بیت اللہ کا طواف اور اس کی زیارت ہے۔ بدیل نے آنحضرت ﷺ کا پیغام جا کر پہنچا دیا۔ مگر ان خونخوار اور وحشی لوگوں نے کب ماننا تھا۔ کہنے لگے کہ ہم کسی حالت میں بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے نہیں دیں گے۔

بدیل کی واپسی تک آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے مقام پر نزول فرما چکے تھے [1] بدیل کی ناکامی کو دیکھ کر آپ نے ایک اور شخص خراش بن امیہ خزاعی کو بھیجا مگر خراش کے ساتھ انہوں نے اور بھی برا سلوک کیا۔ اس کی اونٹنی کو ذبح کر دیا اور اسے بھی جان سے مار ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ چند حامیوں کی مدد سے جان بچا کر بھاگ آیا۔ اب آپ نے حضرت عثمانؓ کو جو دیگر صحابہؓ کی نسبت اپنے قبیلہ کی کثرت کی وجہ سے زیادہ با اثر اور بارسوخ ثابت ہو سکتے تھے۔ سرداران قریش کی طرف بطور سفیر روانہ فرمایا۔ قریش نے کہا۔ اے عثمان ہم تمہیں تو طواف کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اوروں کو نہیں دے سکتے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بغیر اکیلا کیسے طواف کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر قریش سخت برہم ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ مارے گئے ہیں۔ آنحضرت

---

[1] اس جگہ آنحضرت ﷺ کے معجزہ تکثیر الماء نیز معجزات کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے دیکھئے۔ سیرت خاتم النبیین حصہ سوم جزو اول صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۹

ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فوراً صحابہ کو ایک ببول (کیکر) کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ایک پرزور تقریر کے بعد فرمایا کہ اگر یہ اطلاع درست ہے تو خدا کی قسم ہم اس جگہ سے اس وقت تک نہیں ٹلیں گے کہ عثمان کا بدلہ نہ لے لیں۔ پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا "آؤ اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر (جو اسلام میں بیعت کا طریق ہے) یہ عہد کرو کہ تم میں سے کوئی شخص پیٹھ نہیں دکھائے گا اور اپنی جان پر کھیل جائے گا مگر کسی حال میں اپنی جگہ نہیں چھوڑے گا"۔ اس اعلان پر صحابہ بیعت کے لئے اس طرح لپکے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جب بیعت ہو رہی تھی تو آنحضرت ﷺ نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا "یہ عثمان کا ہاتھ ہے کیونکہ اگر وہ یہاں ہوتا تو اس مقدس سودے میں کسی سے پیچھے نہ رہتا۔ لیکن وہ خدا اور اس کے رسول کے کام میں مصروف ہے" [1] تاریخ اسلام میں یہ بیعت بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور یہ ایسا اہم واقعہ تھا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب لوگوں نے اس درخت کی زیارت شروع کر دی تو انہوں نے یہ محسوس کر کے کہ ممکن ہے بعد میں لوگ اس کی پرستش ہی نہ شروع کر دیں اسے کٹوا دیا۔

خیر جب قریش کو اس بیعت کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عثمانؓ اور انکے ساتھیوں کو فوراً آزاد کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عثمانؓ بھی واپس تشریف لے آئے۔ انہیں دیکھ کر صحابہؓ بہت خوش ہوئے۔

اب قریش کے سمجھدار لوگوں نے جب یہ محسوس کیا کہ مسلمان بھی

---

[1] بخاری باب مناقب عثمان و ابن سعد

لڑنے مرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں تو چونکہ وہ کئی معرکوں میں مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ صلح کی طرف قدرے مائل ہوئے اور قبیلہ بنو ثقیف کے سردار عروہ کو اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ عروہ نے آکر کہا کہ اے محمد (ﷺ) اگر آپ نے اس جنگ میں اپنی قوم کو ملیامیٹ کر دیا تو کیا آپ نے عربوں میں کسی ایسے آدمی کا نام سنا ہے جس نے آپ سے پہلے ایسا ظلم ڈھایا ہو۔ لیکن اگر بات دگرگوں ہوئی یعنی قریش کو غلبہ ہو گیا تو خدا کی قسم مجھے آپ کے اردگرد ایسے منہ نظر آرہے ہیں کہ انہیں بھاگتے ہوئے دیر نہیں لگے گی اور یہ سب لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو عروہ کا یہ کلام سن کر بہت غصہ آیا اور آپ نے اسے سختی سے جواب دیا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب وضو کر رہے تھے تو صحابہؓ کے عشق کی یہ حالت تھی کہ وہ پانی کو زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے عروہ اس عشق کو دیکھ کر ششدر رہ گیا اور جب واپس مکہ میں گیا تو قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اے قریش کے گروہ! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں مگر میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ہمراہیوں میں اس قدر محبوب و مکرم نہیں پایا جس قدر محمد (ﷺ) کو اپنے اصحاب میں پایا ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ جو بات محمد (ﷺ) نے تمہارے سامنے پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔ اور مناسب یہی ہے کہ صلح کر لو۔ عروہ کی یہ بات سن کر قریش کے جوشیلے لوگوں کو بھی سمجھ آ گئی اور وہ بھی صلح پر رضامند ہو گئے چنانچہ قریش مکہ نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر آنحضرت

ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ جا کر ان ان شرائط پر آنحضرت ﷺ سے صلح کر لیں۔ آنحضرت ﷺ کی طبیعت ہی صلح پسند تھی آپ نے فوراً اس کی شرائط کو قبول کر لیا اور حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ صلحنامہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے جب اسلامی طریق کے مطابق دستاویز کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو سہیل نے فوراً اعتراض کیا اور کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے۔ اگر لکھنا ہے تو عرب کے مروجہ دستور کے مطابق باسمک اللھم لکھو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا ویسے ہی لکھ دو۔ پھر جب حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کے اسم مبارک محمد کے ساتھ رسول اللہ لکھا تو سہیل نے پھر اعتراض کیا کہ ہم اگر آپ کو رسول مانتے تو یہ لڑائیاں ہی کیوں ہوتیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اچھا علی یہ بھی مٹا دو۔ مگر حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ جرات نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دوں۔ اس پر آپ نے خود مٹا دیا اور اس کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھا گیا۔ اس صلحنامہ کے شرائط مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں [1]

۲۔ اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں اور تلوار نیام کے اندر رہے [2]

۳۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے

---

[1] بخاری کتاب الشروط و کتاب الصلح

[2] بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء اور کتاب الجهاد باب المصالحہ علی ثلاثۃ ایام

پاس چلا جائے تو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا [۱] لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا [۲]

۴۔ قبائل عرب کو اختیار ہو گا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں [۳]

۵۔ صلح کی میعاد دس سال ہو گی [۴]

یہ موٹی موٹی شرطیں تھیں جن میں سے پہلی تین مسلمانوں پر سخت ناگوار گذریں۔ چنانچہ اتفاق ایسا ہوا کہ ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ خود سہیل کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو گیا تھا اور اس جرم میں قید کر لیا گیا تھا کسی طرح بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور اپنے تازہ زخموں کے نشانات دکھا کر کہنے لگا کہ مجھے مکہ میں بہت تکلیف ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے مدینہ ساتھ چلنے کی اجازت دے دی جائے۔ سہیل نے کہا کہ عہد نامہ کی ایک شرط کے مطابق آپ اسے نہیں لے جا سکتے۔ آپ نے بہتیرا سمجھایا کہ ابھی عہد نامہ لکھا جا رہا ہے اس کو مستثنیٰ کر دو۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور بالآخر معاہدہ کے بعد ابو جندل کو وہیں سے مارتا ہوا مکہ کی طرف لے چلا۔ مسلمان اس دردناک نظارہ کو دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت عمرؓ سے تو بالکل نہ رہا گیا۔ فوراً

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ بخاری کتاب الشروط اور کتاب المغازی

[۲] بخاری کتاب الصلح باب الصلح علی المشرکین [۳] ابن ہشام' ابن سعد و طبری

[۴] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی صلح العدو و ابن ہشام و ابن سعد۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً ہوں۔ پھر عرض کیا۔ کیا ہم حق پر نہیں اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں ضرور ایسا ہی ہے۔ عمرؓ نے کہا تو پھر ہم اپنے سچے دین کے معاملہ میں یہ ذلت کیوں برداشت کریں۔ آپ نے فرمایا دیکھو عمر! میں اللہ کا رسول ہوں اور میں خدا کے منشا کو جانتا ہوں اور اس کے حکم کے مطابق کرتا ہوں اور وہی میرا مددگار ہے۔ پھر عرض کیا۔ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم حج کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ضرور کہا تھا لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کا غصہ فرو ہوا تو وہ بہت پچھتائے اور افسوس کیا اور توبہ کے رنگ میں اپنی اس کمزوری کو دھونے کے لئے آپ بہت سے نفلی اعمال بجالائے یعنی صدقے کئے۔ روزے رکھے۔ نفل پڑھے اور غلام آزاد کئے [1] مگر عام مسلمان ابھی تک یہی سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرائط دب کر مانی ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے صلحنامہ کی تکمیل کے بعد اس جگہ پر قربانیاں کرنے کا حکم دیا تو مسلمانوں کو کچھ تردد محسوس ہوا۔

اس کے بعد آپ مشورہ کرنے کی غرض سے حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے صحابہ نافرمان نہیں مگر اس صلح کی شرائط نے انہیں غم سے نڈھال کر رکھا ہے۔ پس میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ پہلے خود قربانی کر دیں۔ دیکھیں کس

---

[1] ابن ہشام حالات حدیبیہ

طرح صحابہ آپ کی پیروی میں قربانیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فوراً باہر آکر قربانی کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یکدم تمام صحابہ قربانی کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور آناً فاناً یہ کام ہو گیا۔

جب آپ حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں سورۃ فتح نازل ہوئی جس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا یعنی "ہم نے تمہیں کھلی فتح عطا فرمائی ہے۔" چنانچہ یہ شرائط ایسی مفید ثابت ہوئیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی۔ واقعات بتاتے ہیں کہ ڈیڑھ پونے دو سال کے عرصہ میں ہی جب مسلمانوں کو امن و امان نصیب ہوا اور انہوں نے نہایت اطمینان سے اپنے عقائد کی اشاعت کی تو فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی تعداد چودہ سو آدمیوں کی جگہ دس ہزار ہو گئی۔

معاہدہ کی دوسری شرط بظاہر بہت تکلیف دہ تھی۔ مگر واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ بھی مفید ہی ثابت ہوئی کیونکہ جو مسلمان مکہ میں رہتے تھے ان کی تبلیغ سے اندر ہی اندر برابر اسلام پھیل رہا تھا اور قریش کی طرف اول تو کوئی مسلمان آنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن اگر ارتداد اختیار کر کے اُبھی جاتا تو اس کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی۔

دوسرے اتفاق یہ ہوا کہ چند روز کے بعد ایک شخص ابوبصیر نامی قریش کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ چلے آئے۔ قریش نے انہیں واپس بلانے کے لئے اپنے دو آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔

آپ نے شرائط کے مطابق ابو بصیر کو ان کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا۔ وہ بیچارہ واپس تو چل پڑا لیکن جب ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا تو اپنے ایک محافظ سے کہا کہ یار تمہاری تلوار تو بڑی اعلیٰ درجہ کی معلوم ہوتی ہے۔ ابو بصیر کی یہ تعریف سن کر دوسرے محافظ نے پہلے محافظ کے ہاتھ سے تلوار لے کر دیکھنی شروع کر دی۔ ابو بصیر نے کہا ذرا مجھے تو دکھاؤ۔ اس نے بلا تکلف تلوار ابو بصیر کے ہاتھ میں دیدی۔ بس پھر کیا تھا۔ ابو بصیر نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی ایک ہاتھ اس صفائی اور چابکدستی سے مارا کہ ان میں سے ایک کی گردن الگ جا پڑی۔ دوسرا فوراً بھاگ گیا۔ ابو بصیر بھی اس کے پیچھے بھاگا مگر چونکہ اس نے مدینہ ہی کا رخ کیا تھا اس لئے وہ مدینہ میں پہلے داخل ہو گیا۔

وہ ابھی مسجد نبوی میں حال سنا ہی رہا تھا کہ ابو بصیر بھی پہنچ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے ابو بصیر کو دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ شخص لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر ابو بصیر کو یقین ہو گیا کہ اب میرا مدینہ میں رہنا دشوار ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور مجھ کو ان مشرکین مکہ کے سپرد کر دیا۔ لیکن مجھے پھر خدا نے آزاد کر دیا۔ اب میں جاتا ہوں۔ کسی اور جگہ زندگی کے باقی ماندہ دن گذار لوں گا۔ چنانچہ یہ کہہ کر ابو بصیر نے ساحل سمندر کی راہ لی اور سیف البحر کے مقام پر آکر مقیم ہو گئے۔ یہ ایسی جگہ تھی جو نہ آنحضرت ﷺ کے قبضہ و تصرف میں تھی اور نہ قریش کے۔ اس لئے یہاں وہ خوب آزادی سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مکہ کے مسلمانوں کو جب ان کا علم ہوا تو انہوں نے بھی آہستہ آہستہ وہاں جمع ہونا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں کافی مسلمان وہاں جمع ہو گئے اور چونکہ یہ لوگ صلح حدیبیہ کی شرائط کے پابند نہیں تھے اس لئے انہوں نے قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور قریش کا دم ناک میں کر دیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ ہم دوسری شرط کو منسوخ کرتے ہیں۔ خدارا ان مسلمانوں کو جو سیف البحر کے مقام پر مقیم ہیں مدینہ بلوا لیجئے۔ آپ نے قریش کی اس درخواست کو منظور فرما لیا اور ان مسلمانوں کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی۔ لیکن افسوس کہ جب آنحضرت ﷺ کا ایلچی حضور کا خط لے کر پہنچا تو ابو بصیر بیمار تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کے مکتوب مبارک کو بڑے شوق کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تھوڑی دیر بعد اسی حالت میں جان دے دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اس کو اسی جگہ دفن کرنے کے بعد بقیہ صحابہؓ خوشی اور غم کے مخلوط جذبات کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

مختلف بادشاہوں کو دعوت اسلام آخر ۶ ہجری

صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں کو جنگوں سے قدرے فرصت ملی تو علاوہ عرب میں آزادانہ تبلیغ کرنے کے آنحضرت ﷺ نے ارد گرد کے بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط لکھے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ بادشاہ جنہیں اس قسم کے خطوط لکھے گئے مندرجہ ذیل

ہیں:۔

قیصر روم۔ کسریٰ ایران۔ مقوقس شاہ مصر۔ نجاشی شاہ حبشہ یا ابی سینیا۔ اور اس کے علاوہ عرب کے کناروں کے بعض رؤساء کو بھی خطوط لکھے گئے۔

قیصر کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط

قیصر روم کے نام جو خط بھیجا گیا اسے دحیہ بن خلیفہؓ الکلبی لے کر گئے اور انہیں یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اس خط کو بصریٰ کے رئیس کے پاس لے جائیں تاکہ وہ اسے آگے قیصر کے پاس بھجوا دے۔ قیصر کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اس نے ہدایت دی کہ اگر اس مدعی رسالت کی قوم کا کوئی شخص یہاں ہو تو اسے پیش کیا جائے۔

اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں ابو سفیان تجارت کے لئے شام میں گیا ہوا تھا۔ اسے ہی دربار میں حاضر کیا گیا۔ اس کے ساتھ جو قیصر روم کا مکالمہ ہوا اسے ہم بعینہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

قیصر۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟

ابو سفیان۔ شریف اور ذی عزت۔

قیصر۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے کسی نے عرب میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا؟

ابو سفیان۔ نہیں

قیصر۔ دعویٰ نبوت سے پہلے اس نے کبھی جھوٹ بولا یا جھوٹا ہونے کی تہمت اس پر کسی نے لگائی تھی؟

ابو سفیان۔ نہیں
قیصر۔ اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے۔
ابو سفیان۔ نہیں
قیصر۔ محمد (ﷺ) کو غرباء نے زیادہ مانا ہے یا امراء نے۔
ابو سفیان۔ اس کے متبعین میں زیادہ تعداد غرباء کی ہے۔
قیصر۔ ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے۔
ابو سفیان۔ بڑھ رہی ہے۔
قیصر۔ کیا ان میں سے کوئی شخص اس کے دین کو برا سمجھتے ہوئے مرتد ہوا ہے۔
ابو سفیان۔ نہیں۔
قیصر۔ کیا یہ شخص کبھی اپنے عہد کو توڑتا ہے۔
ابو سفیان۔ نہیں۔ لیکن آج کل ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے۔ اس کے متعلق ہمیں ڈر ہے اور نہیں کہہ سکتے کہ آگے چل کر کیا ہو گا۔
(ابو سفیان کہتا ہے کہ مجھے اس موقعہ پر اس کے سوا کوئی اور موقع نہیں مل سکا کہ میں اپنی طرف سے آپ کے خلاف کوئی بات لگا سکوں)
قیصر۔ اس کے ساتھ کبھی تمہاری لڑائی بھی ہوئی ہے۔
ابو سفیان۔ ہاں
قیصر۔ آخر جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟
ابو سفیان۔ کبھی وہ غالب کبھی ہم
قیصر۔ یہ مدعی تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابو سفیان۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کو ایک سمجھو اور شرک نہ کرو اور وہ ہمیں اپنے باپ دادوں والی عبادت سے روکتا ہے اور کہتا ہے نماز پڑھو اور صدقہ دو اور برائیوں سے بچ کر رہو اور اپنے عہدوں کو پورا کرو اور امانتوں میں خیانت نہ کیا کرو۔

جب گفتگو ختم ہوئی تو ہرقل نے ابو سفیان کو کہا کہ تم نے جو ہمارے سوالات کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اس کا خاندان شریف اور ذی عظمت ہے۔ سو انبیاء عالی نسب ہی ہوتے ہیں اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ عرب میں اس سے پہلے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ شاید اس نے پہلے مدعی کی تقلید کی ہو۔ پھر تم نے کہا کہ اس شخص نے دعویٰ سے قبل کبھی جھوٹ نہیں بولا تو میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جو شخص انسانوں پر جھوٹ نہیں بول سکتا وہ خدا پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔ تم نے کہا کہ اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ نہیں ہوا سو ان میں سے اگر کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ شاید اس نے اس ذریعہ سے اس بادشاہت کو از سر نو حاصل کرنا چاہا ہے۔ تم نے کہا کہ ابتداء" اسے غرباء نے مانا ہے۔ سو شروع شروع میں غرباء ہی کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ تم نے کہا ان کی تعداد بڑھ رہی ہے سو ایمان کا یہی خاصہ ہے کہ آہستہ آہستہ بڑھتا اور پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ تم نے تسلیم کیا کہ کوئی شخص اس کے دین کو برا سمجھ کر مرتد نہیں ہوا۔ سو سچے ایمان کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب وہ ایک دفعہ دل میں داخل ہو جائے تو پھر کوئی شخص اسے برا سمجھ کر پیچھے نہیں ہٹتا۔ تو نے کہا کہ اس نے کبھی بد عہدی نہیں کی سو

خدا کے رسولوں کا یہی مقام ہوا کرتا ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ لڑائی میں کبھی ہم غالب ہوتے ہیں اور کبھی وہ۔ یہ صحیح ہے۔ خدا کے نبیوں کا ابتدا میں یہی حال ہوا کرتا ہے لیکن انجام کار وہی مظفر و منصور ہوتے ہیں۔

ابوسفیان کہتا ہے کہ اس کے بعد قیصر نے آنحضرت ﷺ کا خط منگوایا اور اسے دربار میں پڑھے جانے کا حکم دیا۔ اس خط میں یہ عبارت درج تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ۔ وَ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اَمَّابَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدَاعِيَهِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تُسْلَمْ وَ اَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْاَرِيْسِيِّيْنَ وَ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ:۔ "میں اللہ کے نام سے اس خط کو شروع کرتا ہوں جو بے مانگے رحم کرنے والا اور اعمال کا بہترین بدلہ دینے والا ہے۔ یہ خط محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے روما کے رئیس ہرقل کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کو قبول کرتا ہے۔ اس کے بعد

اے رئیس روما! میں آپ کو اسلام کی ہدایت کی طرف بلاتا ہوں۔ مسلمان ہو کر خدا کی سلامتی کو قبول کیجئے کہ اب یہی صرف نجات کا راستہ ہے۔ اسلام لائیے۔ خدا تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر آپ نے روگردانی کی تو یاد رکھئے کہ آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہو گا (اریس جس کی جمع اریسیئین ہے' کے معنی کاشتکار اور زمیندار کے ہیں مگر اس جگہ مراد رعایا ہے ناقل) اور اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف تو آجاؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی صورت میں خدا کا شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے کسی کو اپنا آقا اور حاجت روا نہ گردانیں۔ پھر اگر ان لوگوں نے روگردانی کی تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو بہر حال خدائے واحد کے دامن کے ساتھ وابستہ اور اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔"

ابو سفیان کہتا ہے کہ جب یہ گفتگو اور اس خط کا پڑھا جانا ختم ہوا تو دربار میں ہر طرف سے رومی رئیسوں کی آوازیں بلند ہونی شروع ہو گئیں۔ اس وقت ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم باہر چلے جائیں اور جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر آیا تو میں نے انہیں کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ستارہ تو بہت بلند ہوتا نظر آتا ہے کیونکہ روما کی حکومت کا بادشاہ اس سے خوف کھا رہا ہے۔ اس کے بعد میں ہمیشہ اپنے آپ کو نیچا اور ہیٹا محسوس کرتا رہا اور میرا دل اس یقین سے پر تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب غالب ہو کر

رہے گا۔[1]

غرض اس قسم کے چند اور سوالات کرنے اور خط سننے کے بعد ہرقل بہت متاثر ہوا۔ مگر اس نے اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اکیلے اسلام قبول کرنے سے حکومت اس کے ہاتھ سے چھن جائے پہلے اپنے درباریوں کو جمع کرکے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ مگر آخر جب دیکھا کہ درباری بہت بگڑ رہے ہیں تو کہنے لگا کہ میں نے تو تمہیں آزمانے کے لئے ایسا کہا تھا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس انکار اور محرومی کے ہرقل کے دل کی گہرائیوں میں آنحضرت ﷺ کی عزت گھر کر چکی تھی چنانچہ تاریخ سے پتہ لگتا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے اس تبلیغی خط کو ایک تبرک کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھا اور وہ کئی سو سال تک اس کے خاندان میں محفوظ رہا۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب شاہ منصور قلاؤن (جو ساتویں صدی ہجری میں گذرا ہے) کے بعض سفیر ایک دفعہ ملک الفرنج کے پاس گئے تو اس وقت ملک مذکور نے انہیں دکھانے کے لئے ایک سنہری ڈبہ منگوایا اور اس کے اندر سے ایک ریشمی رومال میں لپٹا ہوا خط نکال کر دکھایا اور کہا کہ میرے ایک دادا ہرقل کے نام آپ کے رسول کا ایک خط آیا تھا۔ جو آج تک ہمارے گھر میں ایک متبرک تحفہ کے طور پر محفوظ ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب دعا النبی الی الاسلام

کسریٰ کے نام آنحضرتؐ کا خط

آنحضرت ﷺ کا دوسرا تبلیغی خط کسریٰ شہنشاہ فارس کے نام تھا۔ اس زمانہ میں کسریٰ فارس کے بادشاہوں کا سرکاری اور موروثی لقب تھا۔ بادشاہ کا ذاتی نام خسرو پرویز بن ہرمز تھا جو ایران کے مشہور ساسانی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس بادشاہ کے نام جو خط بھیجا گیا۔ اسے آنحضرت ﷺ کے ایک قدیم اور مخلص صحابی حضرت عبد اللہ بن حذافہ لے کر گئے۔ انہیں یہ ہدایت تھی کہ وہ پہلے اس خط کو بحرین کے رئیس کے پاس لے جائیں اور پھر اس کے توسط سے کسریٰ تک پہنچیں۔ اس رئیس کا نام منذر بن ساوی تھا جو بحرین کے علاقہ میں کسریٰ کا نائب السلطنت تھا [1] یہ خط بھی قیصر کے خط کی طرح باقاعدہ مہر لگا کر بھیجا گیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسَ۔ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ شَهِدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَاِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِاُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ [2]

---

[1] بخاری کتاب العلم و کتاب الجہاد [2] تاریخ خمیس و زرقانی بروایت واقدی

ترجمہ:۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بے مانگے رحم کرنے والا اور اعمال کا بہترین بدلہ دینے والا ہے۔ یہ خط خدا کے رسول محمد کی طرف سے فارس کے رئیس کسریٰ کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت قبول کرتا ہے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا اور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ اے رئیس فارس میں آپ کو خدا کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ میں ہر زندہ انسان کو ہوشیار کردوں اور تا انکار کرنے والوں پر خدا کا فیصلہ واجب ہو جائے۔ اے رئیس فارس! آپ اسلام کو قبول کریں کیونکہ اب آپ کے لئے صرف اسی میں سلامتی کا راستہ ہے لیکن اگر آپ روگردانی کریں گے تو یاد رکھیں کہ اس صورت میں آپ کے اپنے گناہ کے علاوہ آپ کی مجوس رعایا کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کہتے ہیں کہ جب کسریٰ نے ایک ترجمان کے ذریعہ اس خط کو سنا تو غصہ سے بھر گیا اور ترجمان کے ہاتھ سے خط لے کر اسے یہ کہتے ہوئے ریزہ ریزہ کر دیا کہ میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے۔[۱] روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسریٰ کی اس حرکت کی اطلاع پہنچی تو آپ نے غیرت دینی کے جوش میں فرمایا کہ "خدا خود ان لوگوں کو پارہ پارہ کرے[۲]" اور ایک دوسری روایت میں آتا

۱؎ طبری و تاریخ خمیس و زرقانی ۲؎ بخاری کتاب الجہاد و کتاب العلم

ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ الفاظ فرمائے تھے کہ اما ھٰولاء فیمزقون [1]

یعنی اب یہ لوگ خود ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔

کسریٰ اور اس کی رعایا گو خود تو آتش پرست تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کے پراپیگنڈا سے بہت متاثر تھے۔ اس اثر کے ماتحت کسریٰ نے آنحضرت ﷺ کے خط کو صرف پھاڑا ہی نہیں بلکہ یمن کے گورنر کو جس کا نام باذان تھا ہدایت کی کہ حجاز میں جس شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ اس کی طرف فوراً دو طاقتور آدمی بھجوا دو تاکہ وہ اسے گرفتار کر کے ہمارے سامنے حاضر کریں اور اگر وہ انکار کرے تو اسے قتل کر دیا جائے چنانچہ باذان نے اس حکم کی تعمیل کی اور دو مضبوط آدمیوں کو ایک خط دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو انہوں نے ازراہ نصیحت آنحضرت ﷺ کو سمجھایا کہ بہتر ہے آپ ہمارے ساتھ چلے چلیں ورنہ کسریٰ آپ کے ملک اور قوم کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ بات سن کر تبسم فرمایا اور جواب میں اسلام کی تبلیغ کی اور پھر فرمایا کہ تم آج رات ٹھہرو۔ میں انشاء اللہ تمہیں کل جواب دوں گا۔ پھر جب وہ دوسرے دن آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"أَبْلِغَا صَاحِبَكُمَا أَنَّ رَبِّيْ قَتَلَ رَبَّهُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ"

---

[1] کتاب الاموال بحوالہ زرقانی صفحہ ۳۴۲

یعنی "اپنے آقا (والی یمن) سے جا کر کہہ دو کہ میرے رب یعنی خدائے ذوالجلال نے اس کے رب یعنی کسریٰ کو آج رات قتل کر دیا ہے۔"

باذان کے یہ دونوں قاصد جب آنحضرت ﷺ کا یہ پیغام لے کر باذان کے پاس پہنچے تو اس نے کہا جو بات یہ شخص کہتا ہے اگر وہ اسی طرح ہو جائے تو پھر وہ واقعی خدا کا نبی ہو گا۔ چنانچہ ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ باذان کو خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے بیٹے شیرویہ کا ایک فرمان پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ "میں نے ملکی مفادات کے ماتحت اپنے باپ خسرو پرویز کو جس کا رویہ ظالمانہ تھا اور جو اپنے ملک کے شرفاء کو بے دریغ قتل کرتا جا رہا تھا قتل کر دیا ہے پس جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو میرے نام پر اپنے علاقہ کے لوگوں سے اطاعت کا عہد لو۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ نے تمہیں عرب کے ایک شخص کے متعلق حکم بھیجا تھا اسے اب منسوخ سمجھو۔ اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔"

جب باذان کو نئے کسریٰ شیرویہ بن خسرو کا یہ فرمان پہنچا تو اس نے بے اختیار ہو کر کہا کہ پھر تو محمد (ﷺ) کی بات سچی نکلی۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا کے برحق رسول ہیں اور میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اسی وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کا خط لکھ دیا اور اس کے ساتھ یمن کے کئی اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے [۱] اور روایت ہے کہ خسرو پرویز اسی رات قتل ہوا تھا۔ جس میں آنحضرت ﷺ نے اس کے

---

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۷۲ یا ۱۵۷۴ و تاریخ خمیس

متعلق خدا سے اطلاع پائی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ قیصرو کسریٰ نے آنحضرت ﷺ کے خطوں کے ساتھ جو جو سلوک کیا' اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے معاملہ کیا۔ چنانچہ جہاں آنحضرت ﷺ کا خط پھاڑ کر پھینک دینے کی وجہ سے کسریٰ کی بھاری سلطنت چند سال کے اندر اندر ریزہ ریزہ کردی گئی وہاں قیصر کی طرف سے آپ کے خط کے ساتھ مؤدبانہ رویہ کرنے پر خدا تعالیٰ نے اس کی نسل کو کافی لمبی مہلت دی اور اس کے خاندان نے سینکڑوں سال حکومت کی۔

مقوقس شاہ مصر کے نام خط

آنحضرت ﷺ کا تیسرا خط مقوقس شاہ مصر کے نام تھا جو قیصر کے ماتحت مصر اور اسکندریہ کا والی یعنی موروثی حاکم تھا اور قیصر کی طرح مسیحی مذہب کا پیرو تھا۔ اس کا ذاتی نام جریج بن مینا تھا اور وہ اور اس کی رعایا قبطی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خط آپ نے اپنے ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ہاتھ بھجوایا اور اس خط کے الفاظ یہ تھے [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ۔ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تُسْلَمْ يُؤْتِكَ

---

[1] اس خط کا عکس ملاحظہ فرمائیے سیرت خاتم النبیین حصہ سوم کے صفحہ ۲۰۲ پر۔

اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْقِبْطِ۔ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَانُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَایَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [1]

ترجمہ:۔ میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بے مانگے رحم کرنے والا اور اعمال کا بہترین بدلہ دینے والا ہے۔ یہ خط محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے قبطیوں کے رئیس مقوقس کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت قبول کرتا ہے۔ اس کے بعد اے والئ مصر! میں آپ کو اسلام کی ہدایت کی طرف بلاتا ہوں۔ مسلمان ہو کر خدا کی سلامتی کو قبول کیجئے کہ اب صرف یہی نجات کا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر آپ نے روگردانی کی تو (علاوہ خود آپ کے اپنے گناہ کے) قبطیوں کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہو گا۔ اور اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف تو آجاؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی صورت میں خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے ہی کسی کو اپنا آقا اور حاجت روا نہ گردانیں۔ پھر اگر ان لوگوں نے روگردانی کی تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو خدائے واحد

---

[1] زرقانی و مواہب اللدنیہ

کے فرمانبردار بندے ہیں۔"

اس خط کے مضمون اور حضرت حاطبؓ کی گفتگو سن کر مقوقس پر بہت اچھا اثر ہوا اور اس نے برملا کہا کہ تم بے شک ایک دانا انسان ہو اور ایک دانا انسان کی طرف سے سفیر بن کر آئے ہو۔" اس کے بعد کہنے لگا میں نے تمہارے نبی کے معاملہ میں غور کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے واقعی کسی بری بات کی تعلیم نہیں دی اور نہ کسی اچھی بات سے روکا ہے۔" پھر اس نے آنحضرت ﷺ کا خط ایک ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ کر اس پر اپنی مہر لگائی اور اسے حفاظت کے لئے اپنے گھر کی ایک معتبر لڑکی کے سپرد کر دیا [1]

اس کے بعد مقوقس نے اپنے ایک عربی دان کاتب کو بلایا اور آنحضرت ﷺ کے نام ایک خط لکھوایا۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"خدا کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ خط محمد بن عبد اللہ کے نام قبطیوں کے رئیس مقوقس کی طرف سے ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور آپ کے مفہوم کو سمجھا اور آپ کی دعوت پر غور کیا۔ میں یہ ضرور جانتا تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ مگر میں یہ خیال کرتا تھا کہ وہ ملک شام میں پیدا ہو گا۔ (نہ کہ عرب میں) اور میں آپ کے سفیر کے ساتھ عزت سے پیش آیا ہوں اور میں اس کے ساتھ دو لڑکیاں بھجوا رہا ہوں جنہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل ہے اور میں کچھ پارچات بھی بھجوا رہا ہوں اور آپ کی سواری کے لئے ایک

---

[1] زرقانی و تاریخ خمیس

خچر بھی بھجوا رہا ہوں۔ والسلام

جن دو لڑکیوں کا اس خط میں ذکر ہے۔ ان میں سے ایک کا نام ماریہ تھا اور دوسری کا نام سیرین تھا۔ اور یہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں اور جیسا کہ مقوقس نے لکھا تھا وہ قبطی قوم میں سے تھیں اور یہ وہی قوم ہے جس سے خود مقوقس کا تعلق تھا اور یہ لڑکیاں عام لوگوں میں سے نہیں تھیں۔ بلکہ مقوقس کی اپنی تحریر کے مطابق "انہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل تھا۔" دراصل معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں میں یہ پرانا دستور تھا کہ اپنے ایسے معزز مہمانوں کو جن کے ساتھ وہ تعلقات بڑھانا چاہتے تھے رشتہ کے لئے اپنے خاندان یا اپنی قوم کی شریف لڑکیاں پیش کر دیتے تھے چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تشریف لے گئے تو مصر کے رئیس نے انہیں بھی ایک شریف لڑکی (حضرت ہاجرہؑ) رشتہ کے لئے پیش کی تھی بہرحال مقوقس کی بھجوائی ہوئی لڑکیوں میں سے ماریہ قبطیہ کو تو آنحضرت ﷺ نے خود اپنے عقد میں لے لیا اور ان کی بہن سیرین کو عرب کے مشہور شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت کے عقد میں دے دیا[1]

یہ ماریہ وہی مبارک خاتون ہیں جن کے بطن سے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو زمانہ نبوت کی واحد اولاد تھی۔ جو خچر اس موقعہ پر آنحضرت ﷺ کو تحفہ میں آئی وہ سفید رنگ کی تھی اور اس کا نام دلدل تھا۔ آنحضرت ﷺ اس پر اکثر سواری فرمایا کرتے تھے اور غزوہ حنین میں بھی یہی خچر آپ کے نیچے تھی۔[2]

---

[1] زرقانی جلد ۳ حالات ماریہ و سیرین۔ [2] تاریخ الخمیس

نجاشی شاہ حبشہ کے نام آنحضرت ﷺ کا خط

نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے نجاشی کا ذاتی نام اصحمہ تھا۔ یہ ایک نیک دل بادشاہ تھا۔ مکہ کی زندگی میں جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر بہت ظلم کئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے بہت سے صحابہ کو (جن میں بعض عورتیں بھی شامل تھیں) حبشہ بھجوا دیا تھا اور باوجود قریش کے پیچھا کرنے اور نجاشی کو طرح طرح سے بہکانے کے نجاشی حق و انصاف پر قائم رہا اور مسلمان مہاجر ایک لمبے عرصہ تک اس کی حکومت میں امن و عافیت کے ساتھ رہتے رہے۔ یہ بھی چونکہ باوجود خوش عقیدہ ہونے کے مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس لئے جب صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط لکھے تو اس موقع پر ایک خط اپنے صحابی عمرو بن ضمری کے ہاتھ نجاشی کے نام بھی لکھ کر بھجوایا۔ اس خط کی عبارت یہ تھی:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ۔ سَلِمْ اَنْتَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ وَاَشْهَدُ اَنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ الْبَتُوْلِ..... ..وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ اِلَى اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ

الْمَوَالَاۃِ عَلٰی طَاعَتِہٖ وَ اِنْ تَتَّبِعُنِیْ وَ تُؤْمِنُ بِالَّذِیْ جَاءَ نِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ وَ جُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی وَ قَدْ بَلَّغْتُ وَ نَصَحْتُ فَاقْبِلُوْا نَصِیْحَتِیْ وَ قَدْ بَعَثْتُ اِلَیْکَ ابْنَ عَمِّیْ جَعْفَرًا وَ مَعَہٗ نَفَرٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

ترجمہ:۔ "میں اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام ہے۔ اے بادشاہ! آپ پر خدا کی سلامتی ہو۔ اس کے بعد میں آپ کے سامنے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زمین و آسمان کا حقیقی بادشاہ ہے جو تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقصوں سے پاک ہے۔ وہ مخلوق کو امن دینے والا اور دنیا کی حفاظت کرنے والا ہے اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم خدا کے کلام کے ذریعہ مبعوث ہوئے اور اس کے حکم سے عالم وجود میں آئے جو اس نے مریم بتول پر نازل کیا تھا........

اور اے بادشاہ! میں آپ کو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا کی اطاعت میں میرے ساتھ تعاون کریں اور میری اتباع اختیار کرتے ہوئے اس کلام پر ایمان لائیں جو مجھ پر نازل ہوا ہے کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں اور اسی حیثیت سے میں آپ کو اور آپ کی رعایا کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں

نے آپ کو اپنا پیغام پہنچا دیا ہے اور اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ آپ کو صداقت کی طرف دعوت دی ہے۔ پس میرے اخلاص اور ہمدردی کو قبول کریں۔ میں (اس سے قبل) اپنے چچا زاد بھائی جعفر اور ان کے ساتھ بعض دوسرے مسلمانوں کو بھجوا چکا ہوں اور سلامتی ہو اس شخص پر جو خدا کی ہدایت کو اختیار کرتا ہے۔"

جب آنحضرت ﷺ کا یہ خط نجاشی کو پہنچا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور ادب کے طریق پر اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں۔ پھر اس نے ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ منگوائی اور اس میں آنحضرت ﷺ کا خط محفوظ کر کے رکھ دیا اور کہا میں یقین رکھتا ہوں کہ جب تک یہ خط ہمارے گھرانے میں محفوظ رہے گا اہل حبشہ اس کی وجہ سے خیر اور برکت پاتے رہیں گے [1] تاریخ الخمیس کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ خط آج تک حبشہ کے شاہی خاندان میں محفوظ ہے۔

نجاشی نے اس خط کا جو جواب دیا اس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے ہے۔ یا رسول اللہ آپ پر سلامتی ہو اور اس خدا کی طرف سے برکتیں نازل ہوں جس کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں اور وہی ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ اس کے بعد یا رسول اللہ آپ کا خط پہنچا۔ خدا کی قسم جو کچھ آپ

[1] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۳۳۔۳۴ و زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۶۶

نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے۔ میں انہیں اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں سمجھتا اور ہم نے آپ کی دعوت حق کو سمجھ لیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ جن کے متعلق پہلے صحیفوں میں خبر دی گئی تھی۔ پس میں آپ کے چچازاد بھائی جعفر کے ذریعہ آپ کے ہاتھ پر خدا کی خاطر بیعت کرتا ہوں...... اور خدا تعالیٰ کی سلامتی ہو آپ پر اور اس کی رحمتیں نازل ہوں [1]

آنحضرت ﷺ اور نجاشی دونوں کے خطوط اپنے اندر ایک عجیب کیفیت رکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس امر کا یقین تھا کہ نجاشی خط کو دیکھتے ہی فوراً ایمان لے آئے گا اور نجاشی نے جو جواب دیا اس کا بھی ایک ایک لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ گویا اس کی روح پہلے ہی سے صداقت قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور جب وہ ۹ ہجری میں فوت ہوا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے یہ کہتے ہوئے اس کی نماز جنازہ ادا کی کہ تمہارا ایک صالح بھائی نجاشی حبشہ میں فوت ہو گیا ہے۔ آؤ سب مل کر اس کی روح کے لئے دعا کریں۔ [2]

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو تبلیغی خط لکھا۔ جس پر وہ مسلمان ہو گیا تو اس وقت آپ نے اس کے نام ایک دوسرا خط پرائیویٹ مضمون کا بھی لکھا تھا اور اس خط میں آپ نے نجاشی کو دو باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ایک یہ کہ وہ ابوسفیان کی بیٹی

---

[1] زرقانی جلد ۳ ص ۳۴۴-۳۴۵ [2] بخاری و مسلم نیز زرقانی

ام حبیبہ کے ساتھ آپ کا غائبانہ نکاح پڑھ دے اور دوسرے یہ کہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کو اپنے انتظام کے ماتحت واپس عرب بھیج دے۔ نجاشی نے ان دونوں باتوں کی تعمیل کی۔

پہلی بات پر اس نے اس طرح عمل کیا کہ نکاح پڑھنے سے پہلے ام حبیبہ کو پیغام بھیج کر ان کی باقاعدہ اجازت لی اور پھر ان کی طرف سے ان کے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید نے ولی بن کر چار سو دینار مہر پر نکاح کی منظوری دی [1] دوسری بات کی تعمیل بھی آنحضرت ﷺ کے حسب منشاء کی یعنی حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت ﷺ خیبر کی فتح سے واپس آ رہے تھا اور روایت ہے کہ آپ جعفر سے مل کر اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا جعفر اور اس کے ساتھیوں کی آمد سے زیادہ خوشی حاصل ہوئی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جعفر کی زندگی نے زیادہ دیر وفا نہ کی اور وہ اس کے تھوڑا عرصہ بعد ہی غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے [2]

یہ نجاشی جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۹ ہجری میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد جو دوسرا نجاشی تخت پر بیٹھا وہ گو مسلمان نہیں ہوا لیکن چونکہ پہلا نجاشی مسلمان ہو گیا تھا اور اس کے زمانہ میں ایک لمبے عرصہ تک صحابہ کرام نے حبشہ میں پناہ لے کر امن و عافیت کی زندگی پائی تھی اس لئے مسلمانوں نے اس ملک کے احسان کا یہ بدلہ دیا کہ جہاں دنیا کے چاروں

---

[1] ابن سعد و زرقانی و اسد الغابہ [2] بخاری حالات غزوہ موتہ

کونوں میں ان کی فاتحانہ یلغار نے اسلام کی حکومت کا جھنڈا اگاڑا وہاں انہوں نے حبشہ کے خلاف کبھی فوج کشی نہیں کی اور اس کی تہ میں یہی اخلاقی جذبہ کار فرما تھا کہ وہ انتہائی فتوحات کے زمانہ میں بھی سینکڑوں سال گذر جانے کے بعد بھی اس چھوٹے سے احسان کو نہیں بھولنا چاہتے تھے جو حبشہ کے نجاشی نے آنحضرت ﷺ کے چند صحابیوں کو پناہ دے کر ابتدائی مسلمانوں پر کیا تھا۔ یہ ایک بہت بھاری اخلاقی نکتہ ہے جس سے دنیا کی قومیں سبق حاصل کر سکتی ہیں۔

اس کے بعد اور بھی چند رؤسائے عرب کو آپ نے تبلیغی خطوط لکھے لیکن اس مختصر رسالہ میں ان کے درج کرنے کی گنجائش نہیں۔

حضرت ام حبیبہؓ کے تفصیلی حالات

حضرت ام حبیبہؓ جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ابو سفیان کی لڑکی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ آپ کی بعثت کے بعد دونوں مشرف باسلام ہوئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ام حبیبہؓ کا اصل نام رملہ تھا۔ مگر حبشہ پہنچ کر ان کے ہاں حبیبہ ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے نام سے ان کا نام ام حبیبہ مشہور ہو گیا۔

کچھ دنوں کے بعد عبید اللہ تو حبشہ میں ہی وفات پا گئے۔ مگر حضرت ام حبیبہؓ نے استقامت دکھائی اور استقلال کے ساتھ اسلام پر قائم رہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب ان کے اس اخلاص اور استقامت کا علم ہوا تو

ہمدردی کے طور پر آپ نے ان کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے عمرو بن ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بھیجا۔ نجاشی نے حضرت ام حبیبہؓ کی منظوری کے بعد نکاح پڑھا۔ یہ نکاح ۶ ہجری یا ۷ ہجری میں ہوا۔ نکاح کے بعد نجاشی نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حضرت ام حبیبہؓ اور تمام مسلمانوں کو اپنے انتظام کے ماتحت بڑے اعزاز کے ساتھ جہاز میں بٹھا کر مدینہ روانہ کیا۔ اس شادی کے وقت حضرت ام حبیبہ کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔ اور جب وہ عرب کے ساحل پر اتریں تو آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف فرما تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو ابو سفیان سردار قریش اس خیال سے کہ آنحضرت ﷺ کو ابھی اس خلاف ورزی کا علم نہیں ہوا ہوگا۔ تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ میں آیا۔ تو اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر میں ٹھہرا اور ایسا اتفاق ہوا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے جائے نماز پر بیٹھ گیا۔ حضرت ام حبیبہؓ نے فوراً اپنے باپ کو جس سے سالہا سال کے بعد ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے جائے نماز سے اٹھا دیا اور اس بات کو گوارا نہ کیا کہ ایک مشرک (خواہ ان کا باپ ہی کیوں نہ ہو) آنحضرت ﷺ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھے۔ ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس ایمان کو دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔

اس نکاح کی غرض بھی سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ عرب کے قبائل کے ساتھ جو جنگوں کا سلسلہ جاری تھا اس کا خاتمہ ہو جائے۔ حضرت ام حبیبہؓ کا باپ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ابو سفیان تھا اور یہ وہ شخص

تھا جو ابو جہل کے قتل ہو جانے کے بعد قریش کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اس سے تعلق رشتہ داری قائم کرنے کے لئے آپ نے اتنی جلدی کی کہ حبشہ میں ہی نجاشی کے واسطہ سے اس کی لڑکی کے ساتھ جو قریباً قریباً شادی کی عمر گذار چلی تھی نکاح کا پیغام بھیجا تاکہ کسی طرح لڑائی کا خاتمہ ہو۔

احساسات کا خیال

آنحضرت ﷺ اپنی بیویوں کے احساسات کا بھی خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے پاس ان کے بھائی معاویہ کو بیٹھے دیکھا تو اسے بہن بھائی کی محبت کے طبعی تقاضا کا ایک خوبصورت جلوہ تصور فرماتے ہوئے خود بھی پاس بیٹھ گئے اور پوچھا۔ ام حبیبہ کیا تمہیں معاویہ پیارا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اگر تمہیں پیارا ہے تو مجھے بھی پیارا ہے۔

غزوہ خیبر۔ محرم ۷ ہجری

صلح حدیبیہ کے بعد آپ کو قریش مکہ کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا تھا۔ لیکن مدینہ میں آکر معلوم ہوا کہ یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ جو مدینہ سے جلاوطنی کے بعد خیبر میں مقیم ہو گئے تھے۔ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکمل تیاری کر چکے ہیں اور ساتھ ہی آپ کو یہ معلوم ہوا کہ قبیلہ غطفان بھی یہود کے ساتھ اس سازش میں شریک

ہو چکا ہے۔ آپ نے پہلے اس خبر کی تصدیق کی اور تصدیق کر لینے کے بعد محرم ۷ ہجری میں ۱۶۰۰ صحابہؓ کو ساتھ لے کر خیبر کی طرف بڑھے اور خیبر کے قریب پہنچ کر رجیع کے مقام پر جو خیبر اور غطفان کے درمیان تھا۔ فوج کو قیام کرنے کا حکم دیا [1]

آنحضرت ﷺ کی اس عقلمندانہ تدبیر کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنو غطفان کو خود اپنے گھروں کی فکر پڑ گئی اور وہ یہود کی اعانت کو نہ پہنچ سکے [2] اب مقابلہ صرف یہود کے ساتھ تھا۔ آنحضرت ﷺ کا خیال تھا کہ یہ مسلمانوں کی قوت کو دیکھ کر صلح کر لیں گے۔ مگر خیبر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بالکل برسرپیکار بیٹھے ہیں چنانچہ لڑائی شروع ہو گئی۔ پہلے تو یہود نے کھلے میدان میں مقابلہ کیا۔ لیکن جب ان کے مشہور پہلوان مرحب اور یاسر، محمدؓ بن مسلم اور زبیرؓ بن العوام کے ہاتھوں مارے گئے تو پھر یہود نے قلعہ بند ہو جانا مناسب سمجھا۔ مسلمانوں نے قلعوں پر بھی دھاوا بول دیا اور چند دنوں کی زبردست لڑائی کے بعد صرف قموص کا قلعہ بوجہ نہایت مضبوط ہونے کے رہ گیا۔ باقی تمام قلعے فتح ہو گئے۔ آخر ایک رات آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ میں کل علی الصبح جھنڈا اس شخص کے حوالے کروں گا کہ وہ میدان سے کبھی واپس نہیں لوٹے گا۔ جب تک کہ اسکو کامل فتح حاصل نہ ہو [3] اس پر مومنین بہت خوش ہوئے اور اس بات کی انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی

---

[1] معجم البلدان [2] طبری صفحہ ۱۵۷۵ [3] صحیح بخاری

ہے۔ صبح اٹھ کر آپ نے دعا کی اور دعا کرنے کے بعد علم اسلامی حضرت علیؓ کے حوالہ کردیا۔ حضرت علیؓ کو آشوب چشم کی شکایت تھی۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کے لئے دعا کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور حضرت علیؓ کو آرام آگیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے اللہ کا نام لے کر اپنے جانثار ہمراہیوں سمیت قلعہ قموص کا رخ کیا اور متواتر بیس دن کے محاصرہ کے بعد قلعہ فتح ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا ایک عجیب واقعہ

ابھی قلعہ کا محاصرہ جاری تھا کہ ایک یہودی رئیس کا گلہ بان جو اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا مسلمان ہوگیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے کہا یارسول اللہ اب میں ان لوگوں کے پاس تو جا نہیں سکتا اور یہ بکریاں اس یہودی رئیس کی امانت ہیں۔ اب میں ان کو کیا کروں؟ فرمایا بکریوں کا منہ قلعہ کی طرف کردو اور ان کو پیچھے سے ہانک دو۔ خدا تعالیٰ خود بخود ان کو ان کے مالک کے پاس پہنچادے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بکریاں قلعہ کے پاس چلی گئیں جہاں سے قلعہ والوں نے ان کو اندر داخل کرلیا۔[1]
اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس تشدد کے ساتھ امانت کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ کیا آج کل کے مہذب زمانہ میں بھی اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ دشمن کے جانور ہاتھ آجائیں اور پھر انہیں واپس لوٹا دیا جائے۔ کیا اس کے صاف معنے یہ نہیں تھے کہ

---

[1] سیرت الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۴

دشمن کے لئے مہینوں کی غذا کا سامان مہیا کر دیا جائے مگر قربان جایئے رسول اللہ ﷺ کے کہ یہ خطرہ مول لے لیا لیکن یہ پسند نہیں کیا کہ اس مسلمان کی امانت میں فرق آئے جس کے سپرد وہ بکریاں تھیں۔

آنحضرت ﷺ کا رحم اور یہود کی شرارت

مفتوح یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمیں یہاں سے بے دخل نہ کیا جائے۔ ہم نصف پیداوار ہمیشہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی اس درخواست کو منظور فرمالیا۔ لیکن باوجود اس قدر احسان کے یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے چنانچہ تاریخ میں ایک یہودی عورت کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کو جانور کے کس حصہ کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ صحابہ نے بتایا کہ آپ کو دست کا گوشت زیادہ پسند ہے۔ اس پر اس نے ایک بکرا ذبح کیا۔ پتھروں پر اس کے کباب بنائے اور پھر اس گوشت میں زہر ملا دیا۔ خصوصاً بازوؤں میں جس کے متعلق اسے بتایا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ یہ گوشت لے کر آنحضرت ﷺ کے خیمے کے پاس بیٹھ گئی۔ مغرب کی نماز پڑھ کر جب حضور اپنے ڈیرے کی طرف واپس تشریف لائے تو اس عورت کو دیکھ کر فرمایا۔ بی بی تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے کہا اے ابو القاسم! میں آپ کے لئے کچھ گوشت تحفہ کے طور پر لائی ہوں۔ آپ نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا کہ یہ گوشت لے لو۔ اس

کے بعد جب آپ کھانے کے لئے بیٹھے تو ابھی آپ نے دست کے بنے ہوئے گوشت سے ایک لقمہ ہی کھایا تھا کہ آپ کو اس میں زہر کا اثر محسوس ہوا۔ تو آپ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ نہ کھاؤ۔ اس پر آپ کے صحابی بشیر ابن البراء جو وہ بھی ایک لقمہ کھا چکے تھے فوراً بولے کہ یا رسول اللہ! جس خدا نے آپ کو عزت دی ہے۔ اس کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں کہ مجھے بھی اس لقمہ میں زہر معلوم ہوا تھا اور میرا دل چاہتا تھا کہ میں اس کو پھینک دوں لیکن اس خیال سے کہ چونکہ آپ نے لقمہ نگل لیا ہے اگر میں نے نہ نگلا تو شاید آپ پر گراں نہ گذرے میں نے بھی آپ کے تتبع میں وہ لقمہ نگل لیا۔ (روایات میں آتا ہے کہ اس کے تھوڑی دیر بعد بشیرؓ کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ وہیں خیبر میں ہی فوت ہو گئے) اس پر آنحضرت ﷺ نے اس عورت کو بلوایا اور فرمایا کہ تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے۔ اس نے کہا آپ کو یہ کس نے بتایا ہے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت بکری کا دست تھا۔ فرمایا۔ اس ہاتھ نے مجھے بتایا ہے۔ اس پر وہ عورت سمجھ گئی کہ آپ پر یہ راز کھل گیا ہے اور اس نے اقرار کیا کہ اس نے زہر ملایا ہے۔ آپ نے پوچھا اس ناپسندیدہ فعل پر تمہیں کس بات نے آمادہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ میری قوم سے آپ کی لڑائی ہوئی تھی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ ان کو زہر دیتی ہوں اگر واقعہ میں یہ نبی ہوئے تو بچ جائیں گے ورنہ ان سے ہمیں نجات حاصل ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس کی یہ بات سنی تو اسے معاف کر دیا [1]

---

[1] سیرت الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۶۱

اللہ اللہ جان لیوا دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک۔ یقیناً اس کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

حضرت صفیہؓ سے شادی۔ ۷ ہجری

یہود کے قیدیوں میں قبیلہ بنو نضیر کے رئیس حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی تھیں۔ ان کی والدہ بنو قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی۔ جو دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے سارے عرب میں مشہور تھے۔ حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی۔ اس سے طلاق ہو جانے کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ یہ شخص یہودیوں کے مشہور قلعہ القموص کا سردار تھا اور یہیں اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہتا تھا۔

جب یہ قلعہ فتح ہوا اور کنانہ بن ابی الحقیق قلعہ ہی میں مارا گیا تو اس کے تمام اہل و عیال جن میں حضرت صفیہ بھی تھیں قید ہو گئے۔ حضرت صفیہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ مگر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے جو لونڈی دحیہ کلبی کو دی ہے وہ تو دو خاندانوں بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ ہے۔ ایسی حیثیت کی عورت ایک سپاہی کے پاس نہیں جانی چاہئے بلکہ صرف آپ ہی اس کے اہل ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور نہ چاہا کہ دشمن کے سردار کی بیٹی ایک سپاہی کے پاس رہے۔ آپ نے دحیہ کلبی کو ان کے عوض میں ایک اور لونڈی دے دی اور ان کو آزاد کر کے اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ حضرت صفیہؓ کا

آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آنا بھی دراصل آپ کی صداقت کا ایک بہت بڑا نشان تھا اور وہ اس طرح کہ جب آنحضرت ﷺ کی ان کے چہرے پر نظر پڑی۔ تو آپ نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر لمبے لمبے نشان ہیں۔ آپ نے فرمایا صفیہ تمہارے یہ نشان کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ ایک دن میں نے خواب دیکھی کہ چاند گر کر میری جھولی میں آ پڑا ہے۔ میں نے دوسرے دن یہ خواب اپنے خاوند کو سنائی۔ اس نے کہا یہ عجیب خواب ہے۔ چلو چل کر اپنے باپ کو سناؤ۔ چنانچہ جب میں نے اپنے باپ سے اس خواب کا ذکر کیا تو اس نے اس زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ میرے چہرے پر انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ میرے باپ نے کہا نالائق! کیا تو عرب کے بادشاہ کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے [1] یہ اس نے اس لئے کہا کہ عرب کا قومی نشان چاند تھا۔ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھتا کہ چاند اس کی جھولی میں آپڑا ہے۔ تو اس کی تعبیر یہ کی جاتی تھی کہ عرب کے بادشاہ کے ساتھ اس کا تعلق ہو گیا ہے۔

اس نکاح کی غرض بھی یہی تھی کہ یہود اپنی شرارتوں سے باز آجائیں اور صلح اختیار کر کے اسلام کی طرف مائل ہوں۔ یہ واقعہ ۷ ہجری کا ہے۔ نکاح کے بعد جب خیبر سے روانگی ہوئی تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی گئی اور وہیں دعوت ولیمہ ہوئی۔

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے ازحد محبت تھی۔ آپ جب علیل ہوئے تو انہوں نے بحسرت کہا۔ "یا نبی اللہ! کاش آپ کی تمام

---

[1] سیرۃ الحلبیہ جلد ۳ صفحہ ۵۰

تکلیفیں مجھے مل جائیں"۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "واللہ یہ سچی ہے"۔ آنحضرت ﷺ ان سے بہت محبت رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ خصوصاً اس لئے کہ یہود اپنی بداعمالی کی وجہ سے مسلمانوں کی نگاہ میں ذلیل ہو گئے تھے اور یہ یہود میں سے تھیں چنانچہ ایک موقعہ پر جب ان کو آنحضرت ﷺ کی بعض اور بیویوں کی طرف سے یہودی النسل ہونے کا طعن دیا گیا اور وہ رنجیدہ خاطر ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس امر کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ' موسیٰ میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں۔ پس مجھ سے کون افضل ہو سکتا ہے۔

حضرت صفیہؓ نہایت فیاض اور سیر چشم تھیں۔ دوسروں سے ہمدردی کرنے کا جذبہ بھی آپ میں بے انتہا تھا۔ آپ نے ۵۰ ہجری میں ۶۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ سے شادی۔ ۷ ہجری

حضرت میمونہؓ کا پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ مسعود نے طلاق دے دی تو آپ ابوارہم بن عبدالعزیٰ کی زوجیت میں آئیں۔ ۷ ہجری میں ابوارہم نے وفات پائی اور یہ بیوہ رہ گئیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے جن کی وہ سالی تھیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نکاح کی سفارش کی۔ تو آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی آخری بیوی تھیں یعنی ان

کے بعد آپ نے پھر کسی سے نکاح نہیں کیا۔

آپ نہایت صحیح العقیدہ اور راسخ الخیال خاتون تھیں۔ آپ کا اکثر وقت لوگوں کو مسائل سمجھانے میں صرف ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت بیمار ہوئی اور بیماری کی حالت میں اس نے منت مانی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو میں بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ خیر اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی تو وہ اپنی منت کو پورا کرنے کے لئے حضرت میمونہؓ سے رخصت ہونے آئی۔ آپ نے اسے سمجھایا کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم یہیں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو [1]

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسے شارع نبی کو عورتوں میں اسلام کی محبت پیدا کرنے اور انہیں مسائل سمجھانے کے لئے متعدد بیویاں کرنے کی کس قدر ضرورت تھی۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو یقیناً یقیناً جو تغیر مسلمان عورتوں میں ازواج مطہرات کے ذریعہ پیدا ہوا ہے اور اسلام کی محبت ان کے قلوب میں جاگزیں ہوئی ہے اس میں کمی واقع ہو جاتی۔ ازواج مطہرات کے ذریعہ آپ کی قریباً قریباً عرب کی تمام قوموں سے رشتہ داریاں ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو قرابت حسن سلوک اور احسان و مروت کا خیال کر کے وہ قبائل اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ دوم ان قبائل کی عورتوں نے آنحضرت ﷺ کی بیویوں ہی سے اپنی اپنی رشتہ دار بیویوں کے پاس جا کر آزادی سے مسائل سیکھے۔

---

[1] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۳۲۳

حضرت میمونہؓ کی وفات ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ پڑھایا۔

آنحضرت ﷺ کا متعدد شادیاں کرنے کا مقصد اگر نعوذ باللہ عیاشی ہوتا جیسا کہ غیر مسلم مورخین نے الزام لگایا ہے تو آپ ہرگز عمر رسیدہ بیویاں نہ کرتے بلکہ عرب میں سے چن چن کر کنواری اور خوبصورت بیویاں کرتے اور یہ آپ کے لئے مشکل امر نہیں تھا بلکہ ایسی لڑکیوں کے والدین اس امر پر فخر محسوس کرتے کہ ان کی لڑکیاں آپ کے نکاح میں ہیں۔

پس آپ کا بیوہ اور عمر رسیدہ بلکہ اکثر بیویوں سے اس وقت شادی کرنا جبکہ وہ قریباً قریباً نکاح کی عمر گذار چکی تھیں۔ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ کا مقصد جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ مختلف قبائل میں اسلام کے پھیلانے میں سہولت پیدا کرنا اور مسلمان عورتوں میں اسلامی تعلیم کا عام رواج دینا تھا۔

حضرت ماریہؓ سے شادی

مقوقس مصر نے آنحضرت ﷺ سے عقیدت کے اظہار کے طور پر اپنے خاندان کی دو لڑکیاں بھجوائی تھیں۔ ان میں سے حضرت ماریہؓ کو آپ نے اپنے عقد میں لے لیا۔ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر میں آپ کو ایک لڑکا دیا۔ جس کا نام آپ نے ابراہیم رکھا۔ آنحضرت ﷺ اس بچہ کی پیدائش سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے سوا تمام لڑکوں اور

لڑکیوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کر چکے تھے۔ اس لئے طبعاً آپ کو اس بچہ سے ازحد محبت تھی۔ مگر خدا کی قدرت کہ یہ بچہ بھی زیادہ دیر تک آپ کے پاس نہ رہا۔ بلکہ قریباً ڈیڑھ سال کی عمر کا ہو کر بیمار ہوا اور قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا۔ اس کی وفات سے آپ کو شدید صدمہ ہوا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے کہا یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اے عوف کے بیٹے یہ ایک رحمت ہے جو خدا نے بندوں کے دل میں رکھی ہے۔" پھر آپ نے فرمایا۔ "تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَ يَحْزَنُ الْقَلْبُ وَ لَانَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى الرَّبُّ وَ اِنَّا يَا اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ" یعنی آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل تیرے فراق سے اے ابراہیم غمگین ہے۔ پھر بھی ہم نہیں زبان سے کہتے مگر وہی جو ہمارے رب کی رضامندی کا باعث ہو۔ سبحان اللہ کیا صبر ہے جو ہمارے نبی ﷺ نے دکھایا۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ ایک ایسا باپ جس کی ساری اولاد فوت ہو چکی ہو اور پھر بڑھاپے میں اسے اللہ تعالیٰ نے ایک لڑکا دیا ہو اور وہ بھی فوت ہو جائے تو اس کا دل قابو سے نکل جاتا ہے اور وہ جزع فزع کرنے پر اتر آتا ہے۔ مگر کیا ہی پاک نمونہ ہے ہمارے نبی ﷺ کا کہ نہ تو دل میں اس قدر سختی پائی جاتی ہے کہ آنسو تک نہ گرے اور نہ ہی خدا کا شکوہ کرتے ہیں بلکہ وہ طریق اختیار کرتے ہیں جو عین فطرت صحیحہ کے مطابق اور تعلق باللہ پر دلالت کرتا ہے۔

آپ کا تصنّع سے بُعد

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ آپ میں تصنّع نام کو نہ تھا۔ بلکہ آپ کو اس قسم کی باتوں سے بھی سخت نفرت تھی جن سے کسی دوسرے کو شبہ کا بھی احتمال ہوتا تھا۔ صاحبزادہ ابراہیم جن کی وفات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی وفات کے ساتھ ہی سورج کو گرہن لگا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ اس لئے بعض مسلمانوں نے سمجھا کہ شاید سورج کو بھی صدمہ ہوا ہے اور یہ سورج گرہن اس صدمہ کا اظہار ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب مسلمانوں کے اس خیال کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا اِنَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَاتَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَ لَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذَالِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ بِالصَّلٰوةِ۔

یعنی "سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے دو نشان ہیں جن کو کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔ بلکہ جب تم دیکھو کہ ان کو گرہن لگا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عاجزی کرتے ہوئے خدا کے حضور نماز پڑھو۔"

اب دیکھو! طہارت نفس کا کیا پاک نمونہ ہے۔ اگر آپ کا دعویٰ نعوذ باللہ تصنع پر مبنی ہوتا تو آپ خوش ہوتے کہ مسلمانوں کو میری صداقت پر

ایک اور نشان مل گیا ہے یا کم از کم خاموش ہی رہتے۔ مگر آپ کے نفس نے یہ گوارا نہیں کیا کہ لوگ اس قسم کی غلطی میں مبتلا رہیں بلکہ فوراً اصل حقیقت سے انہیں آگاہ کیا۔ کیا یہ واقعہ آپ کی صداقت پر عظیم الشان گواہ نہیں؟

عمرۃ القضاء۔ ذو القعدہ ۷ ہجری

صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں مشرکین نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ اگلے سال مسلمان عمرہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ذوالقعدہ ۷ ہجری کا چاند نظر آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یوم الحدیبیہ کے عمرہ کو قضا کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ وہ تمام صحابہؓ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آپ کے ہمراہ تھے وہ تو ضرور چلیں اور باقی میں سے بھی اگر کوئی دوست شامل ہونا چاہیں تو بڑی خوشی سے شامل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کل دو ہزار صحابہؓ کے ساتھ آپ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت اللہ کے روبرو پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب کو ارشاد فرمایا کہ کندھوں کو برہنہ کر لو اور احرام کا کپڑا بغل کے نیچے سے نکال کر گردن کے گرد لپیٹ لو اور مستعدی سے دوڑتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرو تاکہ مشرکین پر مسلمانوں کی قوت و شوکت اور جفاکشی کا اثر پڑے۔

مسلمان جب مکہ میں داخل ہوئے تو بہت سے مشرکین مکہ سے باہر گھاٹیوں اور وادیوں میں چلے گئے تاکہ مسلمانوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے دل نہ جلیں۔

آنحضرت ﷺ نے تین دن مکہ میں قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران میں مسلمانوں کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے کئی خدا ترس قلوب میں اسلام کی صداقت کا گہرا اثر پڑا۔

حضرت عباسؓ کی سالی حضرت میمونہؓ جو دیر سے بیوہ ہو چکی تھیں اور جن کا ذکر تسلسل کے رنگ میں پیچھے کیا جا چکا ہے۔ انہی ایام میں حضرت عباس کی خواہش پر آپ کے نکاح میں آئیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب تین دن مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے گذر گئے۔ تو کفار نے کہا کہ معاہدہ کے مطابق اب آپ لوگ فوراً باہر نکل جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ فوراً مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ آپ نے اہل مکہ کے احساسات کا خیال کر کے نئی بیاہی ہوئی میمونہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور وہ بعد میں اسباب کی سواریوں کے ساتھ آپ کے پاس جنگل میں آملیں۔ اپنی زندگی کا یہ واقعہ انہیں اس قدر محبوب تھا کہ جب اسی سال کی عمر پا کر فوت ہونے لگیں تو یہ وصیت کی کہ مکہ کے باہر ایک منزل پر اس جگہ مجھے دفن کیا جائے جہاں میں پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ یقیناً یہ اس حسن سلوک کا نتیجہ ہے جو آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت خالدؓ بن ولید

کا اسلام لانا

مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہوئے ابھی آپ کو چند روز ہوئے تھے کہ مکہ میں حضرت عمرو بن العاص مسلمان ہوئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا۔ حضرت خالد بن ولید جو ان کے نہایت ہی گہرے دوست تھے وہ بھی سفر حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے قرات قرآن مجید سن کر اندر ہی اندر گھائل ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اس طرح سے مکہ کے دو مشہور سردار اور عرب کے نامور جنگجو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

جنگ موتہ۔ جمادی الاول ۸ ہجری

زیارت کعبہ سے واپس آنے کے بعد آپ کو اس قسم کی اطلاعات پہنچیں کہ شام کی سرحد پر عیسائی عرب قبائل یہود اور کفار کے اکسانے پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ نے تحقیقات کے لئے پندرہ آدمیوں کی ایک پارٹی بھیجی۔ اس نے ایمانی جوش کے ماتحت ان کو تبلیغ شروع کر دی۔ وہ لوگ بھلا توحید کی تعلیم سے کہاں متاثر ہو سکتے تھے۔ انہوں نے

ان مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے بصریٰ کے حاکم شرجیل کے نام ایک خط لکھا۔ قاصد جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے نہایت بے دردی سے اسے قتل کر دیا۔ قاصد کا قتل کرنا صاف اعلان جنگ تھا۔ اس لئے آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کی سرداری میں تین ہزار جاں نثاروں کا ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف روانہ کیا [1]

ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کی ماتحتی میں عظیم الشان مہاجرین وانصار کو مقرر کرنا اسلامی مساوات کا ایک شاندار ثبوت تھا جسے آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں سکھا دیا۔

خیر جب لشکر تیار ہوا تو آپ نے فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اگر زیدؓ شہید ہو گیا تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر وہ بھی شہید ہو گئے تو عبدؓ اللہ بن رواحہ کو رئیس مقرر کر لینا اور ساتھ ہی یہ بھی وصیت کی کہ رہبانوں سے کچھ تعرض نہ کریں۔ عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کریں اور درختوں کو نہ کاٹیں۔

اسلامی جاں نثاروں کا یہ لشکر جب موتہ کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ شرجیل ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جو تعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ مقابلہ کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ اور قیصر بھی تیاری کر رہا ہے۔ شرجیل کی فوج کے ساتھ ایک خطرناک مقابلہ ہوا۔ زیدؓ شہید ہو گئے۔

---

[1] صحیح بخاری غزوہ موتہ

آپ کے بعد حضرت جعفر نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ حضرت جعفر بھی نہایت جاں نثاری سے لڑے اور نوے زخم کھا کر آخر شہید ہوئے۔ ان کے بعد عبدؓ اللہ بن رواحہ نے اسلامی علم کو سنبھالا۔ مگر وہ بھی شہید ہو گئے۔ جب آنحضرت ﷺ کے مقرر فرمودہ امراء شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے آپس کے مشورہ سے حضرت خالدؓ بن ولید کو امیر مقرر کیا۔ حضرت خالدؓ نے صبح سے لے کر شام تک اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ حضرت خالدؓ نے اس جنگ میں اس قدر بہادری کے جوہر دکھائے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں "سیف اللہ" کا خطاب دیا۔

باب نہم

فتح مکہ۔ جنگ حنین اور اس کی ابتدائی شکست کی وجوہات۔ جنگ تبوک۔ مختلف اطراف سے قبائل کی آمد۔ حضرت ابوبکرؓ امیر حج کی حیثیت سے

فتح مکہ۔ رمضان ۸ ہجری

صلح حدیبیہ کے بعد چونکہ عرب میں لڑائی ایک حد تک رک چکی تھی اور مسلمانوں کو خوب تبلیغ کا موقع ملا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ مگر قریش مسلمانوں کی ترقی کو دیکھ کر اندر ہی اندر جل رہے تھے اور دوسرے ان کے ظلم و ستم کا پیالہ بھی لبریز ہو چکا

تھا۔ لہٰذا وہ کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں تھے کہ جسے آڑ بنا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے لوگوں کو ابھار سکیں۔ اس اثنا میں اتفاق ایسا ہوا کہ قریش کے حلفاء بنو بکر نے آنحضرت ﷺ کے حلفاء بنی خزاعہ پر اپنی کسی پرانی دشمنی کی وجہ سے حملہ کر دیا۔ اب قریش کا فرض تھا کہ وہ صلح حدیبیہ کی شرائط کی رو سے بنو بکر کو اس ارادہ سے باز رکھتے۔ انہوں نے الٹا ہتھیاروں وغیرہ سے ان کی مدد کی [1] اور اس طرح سے قریباً بیس تیس آدمی قبیلہ خزاعہ کے بنو بکر کے ہاتھوں مارے گئے۔ خزاعہ کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور ایک پر درد نظم کے ذریعہ اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ آپ نے ان کے ساتھ نہایت ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ کہ تم تسلی رکھو ہم ضرور تمہاری امداد کریں گے۔ چنانچہ جب وہ واپس چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے اپنا ایک قاصد قریش کے پاس بھیجا کہ وہ یا تو بنو خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کریں یا بنو بکر سے علیحدگی اختیار کریں اور یا پھر اعلان کر دیں کہ معاہدہ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔ قریش نے اول تو یہ جواب دیا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے [2] لیکن بعد میں اپنی ناعاقبت اندیشی پر بہت پچھتائے۔ ابو سفیان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ معاہدہ کی تجدید کروائے۔ مگر آنحضرت ﷺ قریش کی چالاکیوں کو دیکھ چکے تھے۔ آپ نے ان کے مطالبات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور وہ ناکام واپس لوٹ گیا۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۶۲۰

[2] زرقانی بحوالہ مغازی ابن عائذ

آنحضرت ﷺ نے اپنے حلفاء قبائل کو ساتھ ملا کر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی اور اس خیال سے کہ کہیں قریش کو اس کا علم نہ ہو جائے۔ آپ نے اس تیاری کو مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ مگر ایک صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے قریش کو آنحضرت ﷺ کی اس تیاری سے آگاہ کرنے کے لئے ایک عورت کے ہاتھ ایک خط روانہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو الہام الٰہی کے ذریعہ اس کی اطلاع مل گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن العوام کو روانہ کیا کہ وہ اس عورت سے خط لے لیں اور اسے گرفتار کر کے واپس لائیں چنانچہ جب وہ روضہ خناخ میں پہنچے تو وہ عورت وہاں موجود تھی۔ انہوں نے اس سے خط کے متعلق دریافت کیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ مگر چونکہ انہیں آنحضرت ﷺ کے الفاظ پر یقین تھا اس لئے انہوں نے اس کی تلاشی لی۔ چنانچہ وہ خط اس کے جوڑے میں سے نکل آیا۔ جس پر انہوں نے اسے گرفتار کر کے دربار نبوی میں پیش کیا۔ حاطبؓ طلب کئے گئے۔ انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ یہ تو میں جانتا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔ لیکن مکہ میں چونکہ میرے عزیز و اقارب ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر ایک احسان کر دوں تاکہ وہ ممنون ہو کر میرے عزیز و اقارب کو ضرر نہ پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور چاہا کہ اس کی گردن اڑا دیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرؓ حاطبؓ اہل بدر میں سے ہے۔ جو کچھ کہتا ہے درست کہتا ہے مگر یہ اس کی غلطی

ہے جو قابل عفو ہے۔ چنانچہ حضرت حاطبؓ کی یہ غلطی معاف کر دی گئی۔

آخر ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے آپ دس ہزار قدوسیوں کو لے کر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ الفاظ پورے ہوئے کہ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا [1] راستہ میں آپ کو آپ کے چچا عباسؓ ملے جو مسلمان ہو کر اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ جا رہے تھے۔ آپ نے حضرت عباسؓ کو تو اپنے ساتھ لے لیا اور ان کے اہل و عیال کو مدینہ روانہ کر دیا۔

قریش کو جب لشکر اسلامی کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے ابو سفیان' حکیم بن حزام' بدیل بن ورقاء کو مسلمانوں کی فوج کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ جب یہ لوگ مرالظہران کے پاس آئے تو کئی مقامات پر آگ کے شعلے دیکھ کر حیران سے رہ گئے۔ کہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آگیا۔ اتنے میں حضرت عباسؓ جنہیں قریش کے مسلمان ہو جانے کی از حد خواہش تھی۔ آنحضرت ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر لشکر گاہ سے باہر نکلے کہ اگر کوئی مکہ کا بااثر آدمی مل جائے تو اسے آنے والے خطرہ سے آگاہ کر کے مسلمان ہونے کی ترغیب دوں۔ ابو سفیان کی آواز پہچان کر حضرت عباسؓ نے فوراً اسے بلا لیا اور اپنے پیچھے خچر پر سوار کر کے اسلامی لشکر گاہ کی طرف لوٹے راستہ میں حضرت عمرؓ فاروق ملے وہ ابو سفیان کو اس حالت میں دیکھ کر اس قدر مشتعل ہوئے کہ قریب تھا کہ اسے قتل کر دیتے۔ مگر

---

[1] استثنا باب ۳۳۔ آیت ۲

حضرت عباسؓ اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔
آپ چونکہ رحم مجسم تھے۔ حضرت عباسؓ کی سفارش پر آپ نے ابوسفیان کو ایک رات کی مہلت دی۔ صبح اٹھ کر ابوسفیان نے اسلام قبول کرلیا۔ اور آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں داخل ہو گیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ابوسفیان ایک جاہ پسند انسان ہے۔ آپ اسے کوئی خاص اعزاز بخشیں۔ آپ نے فرمایا اچھا جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی اور جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے بھی امان دی جائے گی اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے گا وہ بھی امان میں رہے گا اور جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا اسے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔
ابوسفیان کو اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا نظارہ کیا اور پھر مکہ میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ کے ان احکام کی منادی کر دی۔ آنحضرت ﷺ کی تو خواہش ہی یہی تھی کہ مکہ میں خونریزی نہ ہو۔ آپ نے اپنے لشکر کو مختلف اطراف سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ خالدؓ بن ولید کو بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہونے کا ارشاد ہوا اور یہی وہ حصہ تھا جو خزاعہ پر حملہ میں شریک ہوا تھا۔ اور انہی میں عکرمہ بن ابوجہل بھی شامل تھا۔ ان لوگوں نے باوجود اعلان عفو کے مقابلہ کیا [1] جس کی وجہ سے مجبوراً حضرت خالدؓ کو تلوار چلانی پڑی۔ آنحضرت ﷺ اس نظارہ کو ایک بلند مقام پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے۔ خالدؓ کے دستے کی تلواروں کی

چمک دیکھ کر آپ کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ "میں نے تو یہ سخت حکم نہیں دیا تھا۔" اور جب خالدؓ واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے بازپرس کی۔ مگر چونکہ وجہ معقول تھی اس لئے آپ نے خالدؓ کے عذر کو قبول فرمالیا۔

اس کے بعد آپ خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ خانہ کعبہ جس میں تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ آپ نے اسے بتوں کی آلائش سے پاک کیا۔ روایت ہے کہ آپ قرآنی آیت جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یعنی حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بیشک باطل بھاگنے والا ہی تھا' پڑھتے جاتے تھے اور چھڑی سے انہیں ٹھکراتے جاتے تھے [1] پھر آپ مقام ابراہیمؑ پر پہنچے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پھر عثمان بن طلحہ حاجب کعبہ سے کنجی لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ نماز چاشت ادا کی۔ پھر کنجی عثمان کو واپس دے کر فرمایا کہ یہ ہمیشہ تمہارے پاس اور تمہاری ہی نسل میں رہے گی۔ عثمان پر آنحضرت ﷺ کی اس وسعت اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں توحید الٰہی' حرمت مکہ اور وحدت نسل انسانی کو بیان کیا۔ پھر قریش کے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے قریش کے گروہ! تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ میں

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح بخاری فتح مکہ

تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا۔" قریش نے کہا۔ ہم آپ سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہمارے بزرگ بھائی ہیں اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں۔" آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ "اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ [1] یعنی "آج تم پر کوئی ڈانٹ نہیں ہے۔ جاؤ تم تمام آزاد ہو۔"

عکرمہ بن ابوجہل اپنی کرتوتوں کی وجہ سے خائف ہو کر مکہ سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی روتی ہوئی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کے لئے آپ سے معافی کی خواستگار ہوئی۔ آپ کی وسیع رحمت بھلا عورت کی درخواست کو کیسے رد کر سکتی تھی۔ فوراً معاف کر دیا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس نے آپ کے حقیقی چچا حضرت حمزہؓ کا جگر چبایا تھا اسے بھی خفیہ خفیہ عورتوں میں مل کر بیعت کر لینے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ وحشی جس کے ہاتھ سے حضرت حمزہؓ نے جام شہادت پیا تھا۔ اسے بھی معافی مل گئی۔ مگر اسے معاف کرتے وقت آپ نے اتنا فرمایا کہ یہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ اسے دیکھ کر مجھے حضرت حمزہؓ یاد آجاتے ہیں۔

غرضیکہ ایسے ایسے ظالم' سفاک' دغاباز' عہد شکن اور کینہ پرور دشمنوں کو معاف کر دیا کہ جس کی نظیر اگر دنیا کی ساری تاریخ میں تلاش کی

---

[1] تاریخ الخمیس

جائے تو ہرگز نہیں مل سکتی۔

آپ کے اس بے نظیر عفو کا ایسا اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔

بیعت کے الفاظ

بیعت کرنے والے مندرجہ ذیل اقرار کرتے تھے۔

"ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اور کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے اور جہاں اور جس حالت میں ہوں گے حق پر قائم رہیں گے اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔"[1]

عورتوں سے بیعت لیتے وقت ایک بات کا اور اضافہ کر لیا جاتا تھا کہ "ہم مردوں پر نوحہ نہیں کریں گی۔" لیکن جو لوگ خوشی سے بیعت نہیں کرتے تھے، ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کئی لوگ ایسے تھے جو بہت دنوں بعد جا کر ایمان لائے۔ سر ولیم میور لکھتا ہے:۔

"گو شہر (مکہ) نے خوشی سے آپ کی حکومت کو قبول کر لیا تھا۔ مگر تمام باشندوں نے اب تک نیا مذہب اختیار نہ کیا تھا اور نہ آپ کا پیغمبر ہونا تسلیم کیا تھا۔ شاید آپ وہی راہ اختیار کرنا

---

[1] طبری

چاہتے تھے جو مدینہ میں اختیار کی تھی اور ان کی تبدیلی مذہب
میں دخل دیئے بغیر تدریج کو کام میں لانا چاہتے تھے۔"

جنگ حنین۔ شوال ۸ ہجری

جب فتح مکہ اور اکثر قریش کے اسلام میں داخل ہونے کی خبر آس پاس کے قبائل میں پہنچی' تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ مکہ اور طائف کے درمیان ہوازن اور ثقیف کے چند زبردست قبائل رہتے تھے اور وہ طاقت اور شوکت میں قریش کے ہم پلہ اور مدمقابل سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک زبردست لشکر تیار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کی۔ دس ہزار کا لشکر تو آپ کے ہمراہ تھا ہی۔ دو ہزار مکہ میں سے لے کر کل بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ آپ وادی حنین میں پہنچے۔ دشمن جو کہ اس جگہ کے اونچ نیچ سے خوب واقف تھا' مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر وادی حنین کے دونوں جانب کمین گاہوں میں چھپ کر اسلامی لشکر کا انتظار کرنے لگا۔ مسلمان ابھی وادی میں پہنچے ہی تھے کہ دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اس اچانک اور غیر متوقع حملہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مکہ کے دو ہزار آدمی جن میں بعض غیر مسلم بھی تھے اور اکثر ان میں سے خالدؓ بن ولید کی ماتحتی میں لشکر اسلام کے آگے جا رہے تھے اور ساز و سامان کی کثرت اور فوج کی زیادتی کی وجہ سے نازاں تھے کہ اب ہمیں کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی وہ تو بالکل حواس

باختہ ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔ ان کی اس طرح بے تحاشا واپسی کا اثر یہ ہوا کہ جاں نثار مسلمانوں کے گھوڑے اور اونٹ بھی بدحواس ہو کر بھاگنا شروع ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ وادی کے دائیں جانب صرف چند رفقاء حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ وغیرہ کے ساتھ رہ گئے۔ آپ ایک سفید خچر پر سوار تھے اور حضرت عباسؓ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ روایت ہے کہ آپ اس پریشانی اور افراتفری کی حالت میں بڑے جوش اور جلال کے ساتھ فرماتے تھے کہ

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ

[1] یعنی "میں نبی ہوں۔ میں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔" آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو اس طرف آواز دو۔ حضرت عباسؓ نے اس حکم کی تعمیل میں زور زور سے ہر قبیلہ کا نام لے لے کر آواز دینا شروع کی۔ کہ اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ اے مہاجرین ادھر آؤ کہ رسول خدا اس طرف ہیں وغیرہ وغیرہ۔ صحابہ کہتے ہیں کہ اس آواز کو پہچان کر ہم اس طرح واپس لوٹے کہ وہ گھوڑے اور اونٹ جو خوف و ہراس کے مارے بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے اور کسی طاقت کے استعمال سے بھی واپس نہیں ہوتے تھے۔ ہم نے ان کی گردنیں تلواروں سے اڑا دیں اور اتر کر پیدل واپس روانہ ہوئے مگر پھر بھی بمشکل سو آدمی آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہو سکے۔ آپ نے اس مختصر دستہ کو ساتھ لے کر بلند آواز

---

[1] بخاری غزوہ حنین

سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ایسے زور سے حملہ کیا کہ سامنے کے دشمنوں کے ہوش اڑ گئے اور انہیں بدحواس ہو کر بھاگنا پڑا۔ اتنے میں اور مسلمانوں نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر پوری قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ دشمنوں کو شکست ہوئی اور مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ اس لڑائی میں چوبیس ہزار اونٹ' چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں' چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

طائف کا محاصرہ

اس لڑائی میں دشمنوں کے سردار اور بہادر لوگ تو مارے جا چکے تھے لیکن پھر بھی جو فوج باقی رہ گئی تھی' اس کا کچھ حصہ بھاگ کر اوطاس میں چلا گیا' جہاں آنحضرت ﷺ نے تھوڑی سی جمعیت بھیج کر انہیں پسپا کر دیا [1] اور بقیہ فوج نے طائف میں جا کر پناہ لی۔ طائف ارد گرد چار دیواری کی وجہ سے ایک محفوظ مقام تھا اور لوگ بھی فن حرب سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے سال بھر کی خوراک اور دیگر ضروری سامان شہر کے اندر جمع کر کے چاروں طرف آلات حرب لگا دیئے۔ آنحضرت ﷺ نے خود آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا اور متواتر بیس دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اس بیس روز کے اندر طائف کے ارد گرد کے اکثر قبائل آپ کے پاس آ آ کر مسلمان ہوتے رہے۔ جب آپ نے

---

[1] مسند بن حنبل

دیکھا کہ محاصرہ لمبا ہو گیا ہے تو صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ ایک عمر رسیدہ تجربہ کار بوڑھے نے یہ رائے دی کہ لومڑی اپنے بھٹ میں چھپ گئی ہے۔ اگر آپ زیادہ دن انتظار کریں تو پکڑی جائے گی اور اگر اسے اسی حالت میں چھوڑ دیں تو آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ آپ کا مقصد تو اسلام کو کفار کے حملہ سے محفوظ کرنا تھا اور اس میں آپ کامیاب ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ نے محاصرہ اٹھا لیا اور لشکر اسلام کو واپسی کا حکم دے دیا [1]

مال غنیمت کی تقسیم

مقام جعرانہ میں تشریف لا کر اسیران جنگ اور مال غنیمت کی تقسیم فرمائی۔ حسب قاعدہ پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکال کر باقی مال سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اسی مقام پر قبائل ہوازن کی طرف سے ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو دودھ پلانے والی دایہ حلیمہ سعدیہ کا واسطہ دے کر معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا جس قدر قیدی میرے اور بنو عبد المطلب کے حصہ میں ہیں' وہ سب میری طرف سے آزاد ہیں۔ بے شک تم ان کو لے جاؤ۔ یہ سن کر تمام مہاجرین اور انصار نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مَا كَانَ لَنَا فَهُوَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ یعنی "جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہے۔" یہ کہہ کر بنو ہوازن کے تمام قیدی رہا کر دیئے اور اس طرح سے

---

[1] ابن سعد

چھ ہزار قیدی ذرا سی دیر میں رہا کر دیئے گئے۔

انہی قیدیوں میں آپ کی رضاعی بہن شیماء بھی تھیں۔ اس نے جب کہا کہ میں آپ کی رضاعی بہن شیماء ہوں تو آپ پہلے تو اسے نہ پہچان سکے لیکن جب اس نے علامات بتائیں تو آپ نے اسے پہچان لیا اور اپنی چادر بچھا کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اس پر بٹھایا۔ پھر فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ مدینہ چلیں تو میں آپ کو نہایت احترام سے رکھوں گا اور اگر اپنی قوم میں رہنا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے۔ شیماء نے دوسری بات کو پسند کیا اور آپ نے اسے بہت سامال و متاع' ایک لونڈی اور ایک غلام اپنی ملک سے دیکر رخصت کیا۔

انصار نوجوانوں کا اعتراض

جب مال غنیمت تقسیم ہو چکا تو بیت المال کے حصہ میں سے آنحضرت ﷺ نے تالیف قلوب کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض قریشی سرداروں کو فیاضانہ انعامات دیئے۔ انصار کے بعض نوجوان آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ خون تو اب تک ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال غنیمت آنحضرت ﷺ نے اپنے ہموطن اور رشتہ دار قریشیوں میں تقسیم کر دیا ہے [1] آنحضرت ﷺ کو جب انصار کی اس گفتگو کا علم ہوا تو آپ نے ان کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے انصار میں نے سنا ہے کہ تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ انصار کے سمجھدار اور عمر رسیدہ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چند بیوقوف نوجوانوں کی زبان سے یہ فقرات نکل گئے ہیں

ورنہ ہم نے تو کوئی شکایت نہیں کی [1] آپ نے فرمایا کہ "اے گروہ انصار! کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے تمہیں ایمان کی دولت عطا فرمائی؟" انصار نے عرض کیا بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے [2] پھر آپ نے فرمایا۔ "اور تم ایک دوسرے کے دشمن تھے' میری بدولت تم میں اتفاق پیدا ہوا۔" انصار نے عرض کیا "بے شک آپ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا۔" پھر فرمایا "اور تم لوگ نادار تھے۔ میری بدولت تمہیں اللہ تعالیٰ نے غنی کیا۔" انصار نے عرض کیا کہ "بے شک اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہوا۔" پھر آپ نے فرمایا کہ "اے انصار تم مجھے کچھ اور جواب بھی دے سکتے ہو کہ تمام عرب نے تجھ کو جھٹلایا اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ سب نے تجھ کو چھوڑ دیا اور ہم نے پناہ دی۔ تو محتاج تھا۔ ہم نے تیری مدد کی اور میں تمہاری ان سب باتوں کی تصدیق کروں گا۔ مگر اے جماعت انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ تو گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول کو ساتھ لے جاؤ؟ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار دوسرا رستہ اختیار کریں تو میں یقیناً وہ رستہ اختیار کروں گا جس پر انصار چلیں گے۔" اس تقریر کا انصار پر ایسا اثر ہوا کہ کوئی آنکھ نہ تھی جو تر نہ ہو اور کوئی دل نہ تھا جو خوشی سے بھر نہ آیا ہو۔

---

[1] بخاری غزوہ طائف [2] بخاری [3] بخاری

جنگ حنین میں ابتداء" شکست کیوں ہوئی

جنگ حنین میں جو بظاہر ابتدا میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اس کی وجہ محض یہ تھی کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جنگ بدر میں ہماری تعداد مشرکین کی تعداد کے تیسرے حصہ کے برابر تھی اور سامان جنگ بھی ہمارے پاس کم تھا لیکن پھر بھی ہم کفار کی فوج پر غالب آ گئے تھے مگر اب جبکہ ہماری تعداد بھی کافی سے زیادہ ہے اور سامان جنگ سے بھی ہم پوری طرح مسلح ہیں۔ اب تو ضرور ہی ہم غالب رہیں گے۔ انہیں یہ خیال نہ آیا کہ جنگ بدر کی فتح مسلمانوں کی کسی طاقت اور بہادری کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کی وجہ محض خدا تعالیٰ کا فضل تھا جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دعاؤں کے نتیجہ میں ظاہر ہوا۔ اس حقیقت کو قرآن پاک نے ذیل کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ [1] یعنی "یاد کرو حنین کے دن کو کہ جب تم اپنی کثرت پر اترانے لگے۔ مگر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین تم پر باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی۔"

دوسری وجہ یہ تھی کہ لشکر میں مکہ کے نو مسلم اور مشرکین بھی تھے اور انہوں نے ابھی تک ایمان کی حلاوت کا مزہ نہیں چکھا تھا۔ اس لئے جب سامنے سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی تو برداشت نہ کر سکے اور بدحواس

[1] سورۃ توبۃ: ۲۵

ہو کر میدان سے بھاگ نکلے۔

جنگ تبوک۔ رجب ۹ ہجری

ابھی آپ کو مدینہ تشریف لائے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ آپ کو اطلاع ملی کہ جنگ موتہ کا انتقام لینے کے لئے غسانی بادشاہ نے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا ہے اور ہرقل قیصر روم نے بھی اس کی امداد کے لئے چالیس ہزار کا لشکر عظیم بھیجا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کمزور کر دے۔ اور چونکہ ابھی تک لوگ ملک کے چاروں اطراف سے جوق در جوق آ آ کر اسلام میں شامل ہو رہے تھے اور ملک کے امن و امان اور نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا تاحال کوئی خاص تسلی بخش انتظام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ایسے حالات میں اگر اس عیسائی حملہ کو ملک شام کی سرحد پر ہی نہ روکا جاتا تو ان کے ملک عرب میں یکلخت داخل ہونے سے تمام ملک میں بدامنی پیدا ہونے کا یقینی احتمال تھا۔ لہٰذا آپ نے تمام قبائل کو اطلاع بھجوا دی کہ قیصر روم کے مقابلہ کے لئے جلد از جلد مدینہ پہنچو۔ جب لشکر تمام اطراف سے جمع ہو گیا۔ تو چونکہ اتنے بڑے لشکر کے لئے زادِ راہ' سواری' سلاح جنگ وغیرہ کے لئے روپیہ کی بہت زیادہ ضرورت تھی اس لئے آپ نے چندہ جمع کرنے کے لئے ایک عام مگر پر زور اپیل فرمائی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا تمام تجارتی مال جسے بطور سرمایہ ساتھ لے کر آپ شام کی طرف روانہ

ہونے والے تھے چندہ میں دے دیا۔ دیگر صحابہ نے بھی حتی المقدور بڑھ بڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ صدیق اور حضرت عمرؓ فاروق کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس اس روز کافی مال تھا۔ انہوں نے اپنا آدھا مال لیا اور اس خیال سے دربار نبوی کی طرف بڑھے کہ آج میں قربانی میں حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا۔ مگر جب حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا سارا مال خدمت نبوی میں حاضر کر دیا ہے تو اپنے دل میں شرمندہ ہوئے۔

غرض جب سامان بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تو آپ ماہ رجب ۹ ہجری میں تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب آپ ایک گھنٹہ کی مسافت طے کر کے بستی ذی رواں میں پہنچے۔ تو منافقین کے ایک گروہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے یہاں ایک مسجد بنائی ہے اور ہماری خواہش ہے کہ حضور اس میں نماز ادا فرمائیں تاکہ وہ بھی قابل تعظیم سمجھی جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت میں سفر پر جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔

حضرت علیؓ کو آپ نے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے مدینہ چھوڑ دیا تھا۔ منافقوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر یہ کہنا شروع کیا کہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں حضرت علیؓ کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہے اس لئے انہیں بار خاطر سمجھ کر مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں۔ حضرت علیؓ بھلا اس طعنہ کو کب برداشت کر سکتے تھے۔ ابھی

آنحضرت ﷺ نے ایک کوس ہی کا فاصلہ طے کیا تھا کہ حضرت علیؓ بھی حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ علیؓ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ میں نے تو تمہیں اپنے گھر بار کی حفاظت کے لئے مدینہ چھوڑا تھا۔ پھر ساتھ ہی ان کی دلداری کے لئے فرمایا یَا عَلِیُّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ کَھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا [1]

یعنی "اے علیؓ! کیا تو خوش نہیں؟ کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جس طرح موسیٰؑ کو ہارونؑ تھے مگر فرق یہ ہے کہ تو نبی نہیں ہے۔"

ان تسلی آمیز فقرات کو سن کر حضرت علیؓ واپس لوٹ آئے اور آنحضرت ﷺ نے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ حجر کے مقام پر پہنچے جہاں قوم ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کے نشانات موجود تھے تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے استغفار کرتے ہوئے جلدی جلدی گذر جاؤ کہ یہاں قوم ثمود پر عذاب الٰہی اترا تھا۔ اس علاقہ حجر کی حدود میں جب مجبوراً آپ کو ایک رات قیام کرنا پڑا۔ تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ خبردار کوئی شخص لشکر گاہ سے تنہا باہر نہ نکلے اور جب آپ کی نظر ان کھنڈرات پر پڑی تو آپ نے چادر سے اپنا منہ چھپا لیا اور لشکر کو تیز تیز چلنے کا حکم دے دیا۔

جب لشکر اسلامی متواتر چودہ منزل کا سفر طے کر کے چشمہ تبوک پر پہنچا تو تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ ہرقل قیصر روم نے تو صداقت کے

---

[1] طبقات کبیر جلد ۵

زعب سے مرعوب ہو کر لڑائی کا کوئی قطعی فیصلہ ہی نہیں کیا تھا اور غسانی بادشاہ (جس کی ایک لاکھ قواعد دان فوج کے تین ہزار مسلمان جنگ موتہ کے موقعہ پر دانت کھٹے کر چکے تھے) نے جب مسلمانوں کی اس قدر تیاری اور جرار لشکر کی آمد کی خبر سنی تو اس کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ چونکہ آپ کا مقصد قیام امن تھا۔ اس لئے آپ نے ان کا تعاقب نہیں کیا ورنہ اگر آپ چاہتے تو جیسا کہ غیر مسلم مورخین نے اعتراضات کئے ہیں۔ تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس علاقہ کے تمام قبائل کو تلوار کے زور سے مزعومہ بناوٹی مسلمان بنا سکتے تھے۔

یہاں آپ نے بیس روز تک قیام فرمایا۔ اس اثناء میں بعض چھوٹی چھوٹی عیسائی حکومتوں سے آپ کے معاہدات ہو گئے اور جب اس علاقہ میں امن وامان کے متعلق آپ کو اطمینان ہو گیا تو آپ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ جب آپ مدینہ کے قریب منافقین کی مسجد کے پاس پہنچے تو آپ نے بعض صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس مسجد کو مسمار کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ مسجد ضرار ہے [1] پھر آپ دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد ماہ رمضان ۹ ہجری میں داخل مدینہ ہوئے۔

بعض صحابہ کی ایک خاص امتحان میں کامیابی

چونکہ یہ سفر بہت لمبا تھا اور پھر موسم بھی گرمی کا تھا۔ فصل بھی بالکل تیار تھی۔ اس لئے بہت سے منافقین نے آ آ کر بہانے بنانا شروع کر دیئے۔ کسی نے کوئی بہانہ بنایا اور کسی نے کوئی۔ مگر بعض صحابہؓ جن کے

اخلاص میں ہرگز کوئی شبہ نہیں تھا۔ محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے اور وہ حضرت کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن الربیع اور بلالؓ بن امیہ تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے دربار نبوی میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کیا۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ان تینوں سے کوئی شخص ہمکلام نہ ہو۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ پچاس دن ان کے اس قدر کرب و اضطراب میں گذرے کہ اس کا اندازہ سوائے ان کے اور کوئی نہیں لگا سکتا۔ زندگی کا ہر لحہ ان کے لئے وبال جان نظر آتا تھا۔ مگر تھے مخلص۔ متواتر توبہ و استغفار کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچاسویں دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی توبہ کی قبولیت کا حکم نازل ہو گیا [۲] جس پر آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہؓ نے انہیں مبارکباد دی۔

ان کے اخلاص کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب ان کے بائیکاٹ کی خبر غسانی بادشاہ کے کانوں تک پہنچی تو اس نے اپنا ایک ایلچی خط دے کر کعبؓ بن مالک کے پاس بھیجا کہ تمہارے جیسے شریف اور معزز سردار کے ساتھ محمد (ﷺ) نے بہت برا سلوک کیا ہے۔ مجھے اس مصیبت میں تمہارے ساتھ پوری پوری ہمدردی ہے۔ اگر تم میرے پاس چلے آؤ تو یہاں تمہاری بہت عزت اور قدر شناسی ہو گی۔ حضرت کعبؓ نے جب یہ خط کھولا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور انہوں نے اسی غصہ کی حالت میں اس ایلچی کے سامنے اسے ایک تنور میں ڈال دیا اور ایلچی سے کہا۔ اب تم چلے جاؤ اس خط کا یہی جواب

---

[۱] قرآن مجید [۲] قرآن مجید

۹ھ

طائف کا وفد

اہل طائف نے جب آنحضرت ﷺ کی غزوہ تبوک سے واپسی کی خبر سنی تو ان کو یقین ہو گیا کہ اگر آپ کے ساتھ خدائی طاقت نہ ہوتی تو آپ کو ہرگز ایسی شاندار کامیابیاں حاصل نہ ہوتیں۔ انہوں نے اپنے سردار عبد یالیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر مدینہ بھیجا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے لئے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ نصب کروایا۔ اس نے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اپنی قوم کے پاس واپس چلا گیا [۱]

سفانہ بنت حاتم طائی کی گرفتاری

انہی ایام میں قبیلہ طے کی طرف سے کچھ شرارت کے آثار نمودار ہوئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو دو سو سواروں کی جمعیت دے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اسے بطور احسان فوراً آزاد کر دیا۔ مگر فیاض باپ کی بیٹی نے اکیلے آزاد ہونا پسند نہ کیا اور عرض کیا کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ میں آزاد ہو جاؤں اور میری قوم قید میں رہے۔ آپ نے اسی وقت حکم دیا کہ کل قیدی آزاد کر دیئے جائیں۔

---

[۱] صحیح بخاری غزوہ تبوک [۲] ابو داؤد ماجاء فی خبر الطائف

سفانہ کا بھائی عدی بن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ یہ لڑکی جب اپنے بھائی عدی کے پاس پہنچی اور آنحضرت ﷺ کے احسانات اور اخلاق کا ذکر کیا تو عدی پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ کے طور پر حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ امیر حج کی حیثیت میں

چونکہ ان دنوں میں قبائل عرب کا مدینہ کی طرف ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ اس لئے جب حج کا موسم [1] آیا تو آپ خود تو مدینہ میں ہی رہے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ کیا اور فرمایا کہ یوم النحر کو یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہ آوے اور نہ کوئی ننگا طواف کرے۔ حضرت ابو بکرؓ روانہ ہو چکے تھے کہ بعد میں آپ پر سورۃ برأت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس لئے آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ یہ آیات لوگوں کو یوم النحر کے دن سنا دیں۔ حضرت علیؓ ذوالحلیفہ کے مقام پر قافلہ سے جا ملے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کس حیثیت سے آئے ہیں۔ امیر ہو کر یا مامور ہو کر۔ حضرت علیؓ نے

---

[1] یہ حج جس قمری مہینہ میں کیا گیا تھا وہ اصل شمار کی رو سے ذوالقعدہ تھا اور قریش کے رائج کردہ طریق شمار کی رو سے جس میں مہینے قمری گنے جاتے تھے اور سال شمسی اور اس کے ہر تین یا دو سال کے بعد ایک زائد مہینہ شمار کر کے اس سال کو تیرہ مہینہ کا قرار دیدیا جاتا تھا ذوالحجہ کہلاتا تھا اور اس وقت کے وہاں کے رواج کے مطابق اس مہینہ میں حج ہو سکتا تھا اس لئے صحابہ کو بھی اس فرضی ذوالحجہ میں جو در حقیقت ذوالقعدہ تھا حج کرنا پڑا۔ لیکن اس کے بعد ۱۰ ہجری کے جس مہینہ میں حج

جواب دیا کہ میں مامور ہو کر آیا ہوں۔ میرا کام صرف یوم النحر کے دن ان آیتوں کا سنانا ہے اور بس۔ جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو حضرت ابو بکرؓ نے امیر ہونے کی حیثیت سے ارکان حج ادا کئے اور حضرت علیؓ نے سورۃ برات کی ابتدائی آیات سنائیں۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرک عہد شکن ثابت ہوئے ہیں اب ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ بلکہ انہیں صرف چار ماہ کی مہلت ہے اس عرصہ میں وہ اپنی بہتری کے لئے جو کچھ مناسب سمجھیں کر لیں اور جن مشرکوں نے مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی ان کے معاہدوں کی مدت پوری کی جائے۔

اس سال حضرت ام کلثومؓ بنت الرسول ﷺ نے انتقال کیا اور اسی سال مدینہ کا مشہور منافق عبداللہ بن ابی فوت ہوا۔

بقیہ حاشیہ:۔ کیا گیا اس میں آنحضرت ﷺ بذات خود شامل ہوئے تھے اور حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ وہ دونوں شماروں کی رو سے ذوالحجہ تھا۔ کیونکہ ۹ ہجری تیرہ مہینوں کا شمار کیا گیا تھا۔

باب دہم

وفدوں کا سال۔ حجۃ الوداع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال

وفدوں کا سال۔ آخر ۹ و ۱۰ ہجری

اہل طائف کے وفد کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ ان کے سردار عبدیالیل نے تمام قوم کی طرف سے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا تھا۔ اسی سال بنی تمیم کا وفد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے جو معیار صداقت آپ کی خدمت میں پیش کیا وہ بھی اپنے رنگ میں ایک نرالا ہے۔ انہوں نے اپنے خطیب اور شاعروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیب اور شاعر کے مقابلہ میں پیش کیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیب اور شاعر نے نہایت سادہ مگر پر اثر پیرایہ میں توحید الٰہی اور تبلیغ اسلام کا مضمون ادا کیا تو بنی تمیم پر اس کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے اسلام

قبول کرلیا۔

انہی ایام میں کعب بن زہیر جو عرب کا مشہور شاعر تھا اور ہمیشہ آنحضرت ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں شعر کہہ کر لوگوں کو اشتعال دلایا کرتا تھا۔ آپ کی مدح میں ایک مشہور قصیدہ بردہ لے کر حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ یہ وہی قصیدہ ہے جو بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔

اسی سال یمن 'مہرہ' عمان' بحرین اور یمامہ کے بہت سے رؤسا نے بذریعہ خطوط یا وفد بھیج کر اسلام قبول کرلیا۔ مہرہ اور یمن کے عیسائی بھی اسی سال مسلمان ہوئے۔ بحرین کے سردار منذر کے پاس آپ نے ایک مبلغ بھیجا جس کے پہنچنے پر منذر نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

اسی سال یمامہ سے بنو حنیفہ کا ایک وفد آیا جس میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب آیا اور کہنے لگا کہ "اگر محمد (ﷺ) اپنے بعد مجھے خلیفہ بنانا منظور کرلیں تو میں ان کی بیعت کرلیتا ہوں۔" رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور آپ کے ساتھ ثابت بن قیس بھی تھا۔ آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اگر تو کھجور کی یہ شاخ جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے مجھ سے طلب کرے تو میں تجھے یہ بھی نہیں دوں گا۔ کیونکہ میں تیری نسبت جو کچھ دیکھ چکا ہوں' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیرا انجام اچھا نہیں۔" حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد کی شرح حضرت ابو ہریرہؓ نے مجھے بتائی کہ آپ نے دیکھا تھا کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں جو مجھے برے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر خواب میں مجھے وحی ہوئی کہ ان پر پھونک

مارو۔ جب میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔ اس سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد زور پکڑیں گے۔ ایک اسود عنسی صنعا کا اور دوسرا مسیلمہ کذاب یمامہ کا۔

اسی سال نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں ستر کے قریب آدمی تھے حسب معمول اس وفد کے ساتھ بھی آپ بہت عزت سے پیش آئے بلکہ اسے مسجد نبوی میں اتارا اور جب بحث کرتے کرتے اتوار کا دن درمیان میں آگیا تو آپ نے مسجد میں ہی انہیں عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ آخر جب انہوں نے واضح دلائل کو نہ مانا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں بموجب حکم الٰہی مباہلہ کے لئے بلایا۔ مگر وہ ڈر گئے اور صرف معاہدہ کر کے واپس چلے گئے [۱] دسویں سال یمن کے بعض قبائل نے اسلام قبول کیا اور پھر تو سارا عرب ہی قریباً قریباً مسلمان ہو گیا۔

حجۃ الوداع۔ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری

اسی دوران میں حج کا موسم آگیا۔ اس سال آنحضرت ﷺ خود حج کے لئے نکلے۔ روایت ہے کہ اس دفعہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع تھا اور ان میں ایک بھی مشرک نہیں تھا۔ اللہ اللہ کیا عجیب نظارہ ہے۔ چند سال ہی قبل اس میدان میں آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ کلمۃ الحق پہنچانے کے لئے لوگوں میں تن تنہا پھرتے تھے اور کوئی آپ کی بات کی طرف کان

---

[۱] زاد المعاد ابن قیم

نہیں دھرتا تھا۔ جس مجمع میں آپ جاتے تھے۔ لوگ آپ کو دل آزار کلمات کہہ کر واپس کر دیتے تھے۔ جس کو نیکی کی ہدایت کرتے تھے وہ درشت الفاظ سے آپ کو خطاب کرتا تھا مگر آج یہ حالت ہے کہ اتنا بڑا مجمع آپ کی غلامی کو اپنے لئے فخر محسوس کر رہا ہے۔

اس حج میں آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر ایک مشہور خطبہ پڑھا اور اس کو لوگوں تک پہنچانے کا یہ انتظام تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کچھ آدمی مقرر کر دیئے جو آپ کی آواز کو دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ اے لوگو میری باتوں کو اچھی طرح سن لو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا کہ اس سال کے بعد پھر بھی اس موقع پر میں تم سے مل سکوں گا یا نہیں [1]

"اے لوگو! یاد رکھو کہ جیسا یہ دن اور یہ مہینہ حرمت والا ہے اسی طرح تمہارے جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ دیکھو امانتیں ان کے مالکوں کے سپرد کرنی چاہئیں اور یہ باتیں جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں تم میں سے ہر ایک موجود شخص کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کو پہنچادے جو اس جگہ حاضر نہیں۔ یاد رکھو تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔"

"آج سود کی رقم ترک کی جاتی ہے اور وہ تمام خون جو جاہلیت میں ہو چکے ان کا قصاص معاف کیا جاتا ہے۔"

"اے لوگو! آج شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ پھر کبھی اس

---

[1] مسلم و ابوداؤد

کی پرستش اس زمین میں کی جائے سوائے اس کے کہ چھوٹے چھوٹے امور میں اس کی اطاعت کی جائے گی۔ [1]

"اے لوگو! عورتوں کا تم پر حق ہے جیسا کہ تمہارا عورتوں پر حق ہے۔ وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا تعالیٰ کی امانت ہیں۔ پس تم ان سے نیک سلوک کرو اور دیکھو غلاموں کا بھی خیال رکھو۔ وہ خوراک جو تم خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور وہ پوشاک جو تم خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔"

"اے لوگو! اچھی طرح سن لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تم سب ایک ہی سلسلہ اخوت میں منسلک ہو۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے مال میں بلا اجازت تصرف کرے۔"

جب آپ خطبہ ارشاد فرما چکے تو بلند آواز سے فرمایا اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ [2] یعنی "کیا میں نے احکام الٰہی تم کو پہنچا دیئے؟" سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ "ہاں بے شک آپ نے پیغام الٰہی ہم تک پہنچا دیا ہے۔" پھر آپ نے فرمایا کہ "اے خدا تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔"

چونکہ آپ کو علم الٰہی کے ذریعہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ حج آپ کا الوداعی ہے اس لئے آپ نے یہ کلمات اس طرح بیان فرمائے جس طرح گویا کہ لوگوں سے آپ رخصت ہو رہے ہیں اور انہیں الوداع کہہ رہے ہیں اور چونکہ فی الواقع بھی یہ آپ کا آخری حج تھا اس لئے اس کا نام

---

[1] ابن ماجہ و ترمذی [2] صحیح بخاری باب الخطبہ ایام منیٰ

حجۃ الوداع مشہور ہو گیا۔ عرفہ کے روز جب آنحضرت ﷺ مکہ ہی میں قیام پذیر تھے کہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ [1] یعنی "آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔" نازل ہوئی۔ عام صحابہؓ تو اس سے بہت خوش ہوئے لیکن حضرت ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کیونکہ آپ کی نکتہ رس طبیعت فوراً نتیجہ پر پہنچ گئی کہ آنحضرت ﷺ اب ہم سے جلد جدا ہونے والے ہیں۔ اس لئے کہ جب دین مکمل ہو گیا تو اب آپ زیادہ دیر تک ہم میں نہیں رہ سکتے۔

وصال النبی ﷺ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری

محرم ۱۱ ہجری میں آپ کو بخار آیا اور پھر روز بروز آپ کی بیماری میں اضافہ ہوتا گیا۔ درمیان میں ۲۶ صفر ۱۱ھ کو قدرے آفاقہ ہوا تو آپ نے شام و فلسطین کی سرحدوں کی تشویشناک خبریں سن کر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو سپہ سالار بنا کر روم کے ساتھ جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ ۲۸ صفر ۱۱ ہجری کو آپ کی بیماری زور پکڑ گئی۔ مگر آپ نے اس بیماری کی حالت میں حضرت اسامہؓ کو بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ پر افسر بنا کر فوج کو روانہ فرما دیا۔ اسامہؓ ابھی مدینہ سے ایک کوس ہی نکلے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس پر آپکی اجازت سے حضرت اسامہؓ

---

[1] بخاری و مسلم و ابو داؤد

وہیں ٹھہر گئے۔ جب آپ کی حالت زیادہ تشویشناک ہو گئی تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے کمرہ میں ہی قیام پسند فرمایا [۱] سات آٹھ روز تک بیماری ہی کی حالت میں آپ نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لاتے رہے مگر چونکہ کمزوری زیادہ ہو چکی تھی اس لئے گفتگو بہت کم فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز جو آپ نماز کے لئے تشریف لائے تو درد کی وجہ سے سر پر ایک کپڑا باندھا ہوا تھا۔ نماز کے بعد آپ نے مختصر سا وعظ فرمایا۔ اس وعظ کے دوران میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ اس دنیا کو اختیار کرے اور چاہے آخرت کو۔ مگر اس بندہ نے آخرت کی زندگی کو اختیار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق جو آپ کے ایک ایک لفظ کو نہایت گہری نظر سے دیکھتے تھے۔ یک دم رو پڑے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مسجد میں جس قدر اصحاب کے دروازے کھلتے ہیں سوائے ابوبکرؓ کے باقی تمام کو بند کر دیا جائے [۲]

اگلے روز جب آپ کی طبیعت بہت ہی خراب ہو گئی تو آپ نے نماز کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے باپ ابوبکرؓ زیادہ رقیق القلب ہیں اور وہ قرآن شریف پڑھتے ہوئے زیادہ روتے ہیں اس لئے آپ حضرت عمرؓ کو امام مقرر فرمائیں مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں ابوبکرؓ ہی امامت کریں گے۔ ایک روز جو ذرا افاقہ ہوا تو آپ نے حجرہ کا پردہ اٹھایا دیکھا کہ مسلمان

---

[۱] بخاری و مسلم و ابوداؤد [۲] صحیح بخاری مناقب ابوبکرؓ

حضرت ابو بکرؓ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو نماز میں مصروف دیکھ کر آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آخری وقت میں آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو امانت اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد کی تھی مسلمان اسے پوری طرح ادا کر رہے ہیں۔ یہ پیر کا دن تھا۔ لوگوں نے محسوس کیا کہ آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے۔ اس لئے وہ اطمینان سے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ بھی اپنے اہل و عیال کے پاس اپنے باہر کے ایک مکان میں جو مدینہ کے مضافات میں بمقام سنخ تھا چلے گئے۔ اس اثنا میں حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے عبد الرحمٰن کے ہاتھ میں آپ نے ایک مسواک دیکھی اور اشارہ سے اسے طلب کیا اور منہ کو اچھی طرح سے صاف کیا۔ اس کے بعد آپ کی آنکھیں پتھرا گئیں اور بدن بوجھل ہو گیا اور اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کہتے ہوئے دوپہر کے قریب دوشنبہ کے [1] روز ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنے مولا حقیقی کو جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] آنحضرت ﷺ کی وفات کے دن مہینہ اور سال کے متعلق تو اتفاق ہے کہ روز دوشنبہ مہینہ ربیع الاول اور ۱۱ ہجری تھا لیکن تاریخ کے متعلق اختلاف ہے اکثر محققین ۱۲ تاریخ بتاتے ہیں اور بعض دوم ربیع الاول بتاتے ہیں اور ان کے اس خیال کی بناء یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع کے دن یعنی ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ تھا اور اس صورت میں ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کا دن دوشنبہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ استدلال اتنا قوی نہیں کہ اس کی بناء پر مقدم الذکر قول کو جو اکثر روایات سے ثابت ہے رد کر دیا جائے کیونکہ صحیح بخاری میں ہی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

آپ کے وصال کی خبر مدینہ میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ صحابہؓ میں سے جو شخص بھی اس خبر کو سنتا تھا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیر ہو جاتی تھی اور وہ حیران و ششدر رہ جاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ فاروق کو

بقیہ حاشیہ:۔دوسرے موقعہ پر اسی روایت کے تعلق میں مذکور رہے کہ ۹ ذوالحجہ ۱۱ ہجری کو جمعہ کا دن ہونا یقینی نہیں بلکہ مشکوک ہے اور بالمقابل ربیع الاول کو یکشنبہ یا دوشنبہ کا دن ہونا حسابی رنگ میں ثابت ہے کیونکہ قمری مہینہ کی اوسط مقدار ۲۹٫۵۳۰۵۸۸۷۱۵ دن ہوتی ہے اور جب حال کے زمانہ کے کسی قمری مہینہ سے لیکر ربیع الاول ۱۱ ہجری تک کے مہینوں کی مقدار زمانی کو مذکورہ بالا اوسط کی روشنی میں دیکھا جائے اور پھر اسے ہفتہ کے دنوں پر تقسیم کیا جائے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری کو چہار شنبہ یا پنجشنبہ کا دن تھا اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو یکشنبہ یا دوشنبہ کا دن۔ اور جب علم جغرافیہ اور علم ہیئت کے ماہروں کی تحقیق پر مبنی اس بات کو دیکھا جائے کہ یکم ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ کا دن تھا اور یکم ربیع الاول ۱۱ ہجری کو چہار شنبہ تو صحیح بخاری کی مقدم الذکر روایت اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کے روز وفات ہونے کے متعلق روایات میں تطبیق بالکل سہل ہو جاتی ہے کیونکہ حسابی طریق شمار میں اور رویت میں ایک دن کا فرق پیدا ہو جانا کچھ بھی بعید نہیں۔

علاوہ اس کے حسابی طریق سے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ۹ ذوالحجہ ۱۰ ہجری کو جمعہ کا دن ہونے کی صورت میں دوم ربیع الاول کو دوشنبہ ہو کیونکہ جب تک اکٹھے تین مہینے ۲۹۔۲۹ دنوں کے شمار نہ کیے جائیں اس وقت تک یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں اور حسابی طریق کی رو سے تو یہ بات ناممکن ہے کہ کبھی اکٹھے تین مہینے ۲۹۔۲۹ دنوں کے آئیں اور رویت کی رو سے بھی اس کا ثبوت ملنا آسان نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس امر کی اطلاع ملی کہ حضرت سرور کائنات ﷺ کا وصال ہو گیا ہے تو ان کے ہوش و حواس بجانہ رہے اور وہ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور باآواز بلند اعلان کیا کہ اِنَّ رِجَالاً مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ زَعَمُوْا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَاِنَّہٗ لَمْ یَمُتْ وَ اِنَّہٗ ذَھَبَ اِلٰی رَبِّہٖ کَمَا ذَھَبَ مُوْسٰی وَ لَیَرْجِعَنَّ فَیَقْطَعَنَّ اَیْدِیَ رِجَالٍ وَّاَرْجُلَھُمْ یعنی "چند منافقین کا یہ گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے حالانکہ آپ فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے رب کے پاس اسی طرح گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ گئے تھے۔ پس آپ ضرور واپس آئیں گے اور منافقوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔" حضرت عمرؓ نہایت جوش اور وارفتگی کی حالت میں اس قسم کی باتیں کہہ رہے تھے اور کسی شخص کو انہیں سمجھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ پہنچے۔ آپ پہلے تو سیدھے آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور حضور کے جسد اطہر کو بغور دیکھا پھر آپ کی پیشانی مبارک پر بوسہ دیکر فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بیشک آپ پر ایک موت وارد ہو چکی ہے مگر اب اس کے بعد دوسری موت آپ پر ہرگز نہ آئے گی۔ پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ کو خاموش رہنے کے لئے کہا مگر وہ سخت جوش کی حالت میں تھے۔ انہوں نے مطلقاً پرواہ نہ کی لیکن لوگ آپ کو دیکھ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ نے مجمع کو مخاطب کر کے ایک مختصر سا

خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ۔ یعنی "لوگو! جو شخص تم میں سے محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا' وہ یاد رکھے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے لیکن جو اللہ کی عبادت کرتا تھا' اسے جاننا چاہئے کہ اللہ یقیناً زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔" اس کے بعد آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ یعنی "نہیں تھے محمد مگر رسول۔ آپ سے پہلے جس قدر رسول تھے وہ فوت ہو چکے ہیں پس اگر آپ کا طبعی موت سے وصال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟" مگر یاد رکھو! جو شخص پھر کفر کی طرف لوٹ جائے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو جزا دے گا۔

حضرت عبداللہ ؓ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر ؓ صدیق نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو خدا کی قسم یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آپ ؓ پر اب نازل کی ہے اور آپ سے دوسرے لوگوں نے سنی ہے کیونکہ اس وقت مجھے کوئی شخص بھی ایسا نظر نہ آتا تھا جس کی زبان پر

یہ آیت نہ تھی۔ حضرت سعیدؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت تلاوت کی تب مجھے یقین ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر میرے پاؤں میں قوت برداشت نہ رہی۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور میں غش کھا کر زمین پر گر گیا۔ غرض صحابہؓ تمام کے تمام غم سے نڈھال ہو رہے تھے اور مختلف رنگوں میں بے اختیار اپنی اپنی حالت کے مطابق ان سے غم کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ کی وفات کے صدمہ سے مسلمان اس طرح ہو گئے تھے جس طرح جاڑے کی اندھیری رات میں بکریاں پریشان پھرتی ہیں۔ حضرت حسانؓ بن ثابت جو حضور کے درباری شاعر تھے ان کے یہ اشعار صحابہ کے جذبات کی ایک حد تک صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

كُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَيْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ فَعَلَيْكَ كُنْتُ اُحَاذِرُ

یعنی تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ تیری موت سے میری آنکھ اندھی ہو گئی۔ اب تیرے بعد کوئی شخص پڑا مرے مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ میں تو تیری ہی موت سے ڈر رہا تھا۔

يَا رَبِّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ دَائِمًا

فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا وَ بَعْثٍ ثَانٍ

تمت بالخیر

مدح نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

از حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

بنت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

السلام! اے ہادیٔ راہ ہدیٰ جان جہاں ۔ والصلوٰۃ اے خیر مطلق اے شہ کون و مکاں

تیرے ملنے سے ملا ہم کو وہ مقصود حیات ۔ تجھ کو پا کر ہم نے پایا کام دل آرام جاں

آپ چل کر تو نے دکھلائی رہ وصل حبیب ۔ تو نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یار بے نشاں

ہے کشادہ آپ کا باب سخا سب کے لئے ۔ زیر احساں کیوں نہ ہوں پھر مرد و زن پیر و جواں

تشنہ روحیں ہو گئیں سیراب تیرے فیض سے ۔ علم و عرفان خداوندی کے بحر بیکراں

ایک ہی زینہ ہے اب بام مراد وصل کا ۔ بے ملے تیرے ملے ممکن نہیں وہ دلستاں

تو وہ آئینہ ہے جس نے منہ دکھایا یار کا ۔ جسم خاکی کو عطا کی روح اے جان جہاں

تا قیامت جو رہے تازہ تری تعلیم ہے ۔ تو ہے روحانی مریضوں کا طبیب جاوداں

ہے یہی ماہ جبیں جس پر زوال آتا نہیں ۔ ہے یہی گلشن جسے چھوتی نہیں باد خزاں

"کوئی راہ نزدیک تر راہ محبت سے نہیں" ۔ خوب فرمایا یہ نکتہ مہدی آخر زماں

یہ دعا ہے میرا دل ہو اور تیرا پیار ہو!

میرا سر ہو اور تیرا پاک سنگ آستاں